اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

فروری ۲۰۱۲ء

مدیر ڈاکٹر محمد امین

ماہنامہ البرہان

جلد ۱۶، شمارہ ۲ فروری ۲۰۱۲ء/ ربیع الاوّل ۱۴۳۳ھ

مشمولات

بے حسی کی چادر — ۲

O سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اسوۂ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہم کیا سبق سیکھتے ہیں؟ — ڈاکٹر محمد امین — ۴

O تعلیم و تربیت

دینی مدارس کا نیا نصاب (۳) — مولانا حسین احمد مدنی — ۱۱

یکساں نظام تعلیم: اسلامی تناظر میں مجوزہ خاکہ — عطاء اللہ چودھری — ۱۴

O اسلام اور تہذیب مغرب

اسلام اور مغربی بنکنگ
اسلامی بنکاری کے حوالے سے ایک اصولی بحث — مدیر — ۲۱

O ہمارا دینی تناظر

تبلیغی جماعت کی خدماتِ جلیلہ
اور چند مؤدبانہ گزارشات — ڈاکٹر محمد امین — ۴۱

علماء اور دینی طبقوں میں انتشار کون پھیلا رہا ہے؟ — ۴۶

O تزکیۂ نفس

خراب نماز کیسے درست کی جائے؟ — احمد جاوید — ۴۷

O پاکستانیات

پاکستان میں سیکولر انقلاب ـــــ عمران خان کا کردار — مدیر — ۵۰

O استفسارات

جدیدیت اچھی ہے یا بُری؟ — ۵۴

O مکاتیب

جماعت اسلامی: مجوزہ متبادل لائحہ عمل — اللہ داد نظامی — ۵۸

اسلام اور مغرب — محمد ریاض خٹک — ۵۹

O تالیفات ڈاکٹر محمد امین — ۶۲

بے حسی کی چادر

پنجاب اسمبلی میں ایک خاتون رکن نے تعلیمی اداروں میں ناچ گانے کے خلاف قرارداد پیش کی کیونکہ چندروز پیشتر ایک تعلیمی ادارے(لاہور کے سابق میئر میاں عامر محمود صاحب کے تعلیمی ادارے جن میں الائیڈ سکول سسٹم، پنجاب گروپ آف کالجز، کراچی کی محمد علی جناح یونیورسٹی اور لاہور کی یونیورسٹی آف سنٹرل پنجاب]یہ وہ یونیورسٹی ہے جس کا شعبۂ اسلامیات سو فیصد غامدی حضرات کو دے دیا گیا ہے اور وہ برائے نام فیس رکھ کر دینی مدارس کے طلبہ اور شائقین علوم اسلامیہ کو گمراہ کررہے ہیں[کے الحمرامیں ناچ گانے کے پروگرام میں کئی لڑکیاں ماری گئی تھیں اور بعض لاپتہ ہوگئی تھیں۔ پنجاب کے وزیر قانون نے انگریزی لفظ کنسرٹ (concert) کے ساتھ 'قابل اعتراض' کا اضافہ کرتے ہوئے قرارداد کی حمایت کی اور رواروی میں قرارداد پاس ہوگئی — کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ اس طرح کی قرارداد کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی اور یہ محض ارکان اسمبلی کی خواہشات اور امنگوں کا اظہار کرتی ہے لیکن بعض ٹی وی چینلز خصوصاً دنیا ٹی وی جو مذکورہ تعلیمی اداروں کے مالک میاں عامر محمود صاحب کی ملکیت ہے اور جیو ٹی وی جو مغربی اور ہندوانہ کلچر یعنی عریانی، فحاشی اور ناچ گانا پاکستان میں متعارف کروانے والوں کا سرخیل ہے (اس بارے میں وہ میڈیا قارئین کے پیش نظر رہنی چاہئیں جو یہ کہتی ہیں کہ امریکہ پاکستانی میڈیا میں کثیر ''سرکاری کاری'' کررہاہے۔ اس ''سرمایہ کاری'' کا مطلب اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ وہ ڈالروں کی رشوت سے ہمارے صحافیوں اور چینلز کو خرید کر انہیں اپنا ایجنٹ بنا رہاہے جو اسلامی مفادات، اقدار اور ثقافت کی بربادی کے لیے میر جعفر و میر صادق کا کردار ادا کررہے ہیں۔) نے آسمان سر پر اٹھا لیا اور اس 'ظالمانہ' قرارداد کے خلاف الزامات کا طومار بدندھ دیا اور اسمبلی کے اندر ناسمجھ اور سیکولر عناصر کو بھڑکا دیا جنہوں نے دوسرے دن اس قرارداد کے خلاف ہنگامہ کیا اور اس کے نتیجے میں پیپلز پارٹی کے ایک جیالے، اپوزیشن لیڈر اور وزیر قانون پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی گئی جس نے یہ 'مفاہمتی' قرارداد پیش کی کہ تعلیمی اداروں میں ''ہر طرح کی ثقافتی سرگرمیوں کی مکمل آزادی ہوگی''، یعنی ملفوف انداز میں پہلی قرارداد کی نفی کردی گئی اور تعلیمی اداروں میں ناچ گانے کی مکمل آزادی دے دی گئی اور اس قرارداد کو اسمبلی نے پاس کردیا۔

پہلی قرارداد میں 'قابل اعتراض کنسرٹ' پر پابندی لگائی گئی تھی دوسری قرارداد میں سب کچھ

کرنے کی مکمل آزادی دے دی گئی ۔ گویا اب تعلیمی اداروں میں جہاں ہمارے بچے بچیاں تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں وہاں ناچ گانے اور عریانی وفحاشی کی مکمل اجازت ہوگی۔ سیاسی جلسوں میں کنسرٹ متعارف کرانے والے عمران خان نے اس قرارداد کی حمایت میں بیان دیا لیکن دینی سیاسی جماعتوں، علماء کرام اور سول سوسائٹی کے دین دار عناصر کی طرف سے مکمل خاموشی اور بے حسی کا ثبوت دیا گیا۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ زور زور سے چیخیں اور علماء کرام، دینی عناصر اور سول سوسائٹی کے اسلام پسند عناصر سے پوچھیں کہ بے حسّی کی چادر اوڑھ کر کب تک سوؤ گے؟ کب تک خاموش تماشائی بنے رہو گے؟ کب تک دینی اقدار کو مٹتے خاموشی سے دیکھتے رہو گے؟ آپ سیاست میں متحد نہیں ہوئے تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہاں تو کرسی کا جھگڑا ہے لیکن تعلیم اور میڈیا جیسے غیر سیاسی میدانوں میں بڑھتی ہوئی بے دینی کے خلاف کب اٹھو گے؟

شمع جلتی رہے

البرہان محض ایک جریدہ نہیں ایک مشن ہے۔ اگر آپ کو اس کے مضامین سے دلچسپی ہے تو کوشش کیجیے کہ یہ شمع جلتی رہے اور یہ شمع تبھی جلتی رہے گی جب آپ اس میں اپنے حصے کا تیل ڈالتے رہیں گے۔ خود بھی البرہان کے خریدار بنئے اور دوسروں کو بھی بنایئے۔

زرِاعانت سالانہ 400روپے تاحیات 5000روپے خصوصی تعاون 10,000 روپے

نام.. پتہ..

فون نمبر..

چیک اور منی آرڈر بنام تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ 71-A فیصل ٹاؤن، لاہور بھجوایئے

ٹرسٹ کو دیے جانے والے عطیات ٹیکس سے مستثنیٰ ھیں

سیرۃ النبی ﷺ

اسوۂ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہم کیا سبق سیکھ سکتے ہیں؟
آج کے حالات میں تین اہم سوال

جامعہ العروہ الوثقی لاہور کے جلسۂ سیرت سے مدیر البرہان کا خطاب

حمد و ثناء کے بعد،

میں علامہ جواد نقوی صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے آپ سے گفتگو کا یہ موقع فراہم کیا۔ علامہ صاحب سے میری صرف ایک ملاقات ہے جو چند ماہ پیشتر ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں ان کو البرہان بھجواتا رہا اور غالباً اتحاد امت کے حوالے سے میری دلچسپی اور سرگرمیاں دیکھ کر انھوں نے مجھے اپنے ہاں بلانے کا رسک لینے کا فیصلہ کرلیا۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ وہ اپنی جامعہ میں اچھا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ میں جب جامعہ میں داخل ہوا تو کئی جگہ بینر لگے ہوئے تھے جن سے پتہ چلا کہ یہاں ہفتۂ وحدت منایا جارہا ہے اور جلسہ گاہ سے 'شیعہ سنی بھائی بھائی' کے نعرے بلند ہورہے تھے۔

میں چونکہ اس وقت ایک تعلیمی ادارے میں ہوں جہاں یا تو اساتذہ کرام ہیں جو اصحاب علم ہیں یا طالب علم ہیں اور یہ بھی توقع ہے کہ دوسرے شرکاء بھی پڑھے لکھے اور علمی ذوق کے حامل ہوں گے اس لیے سیرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حوالے سے روایتی قسم کی جذباتی تقریر کرنے کی بجائے میں نے آج یہ اسلوب اپنانے کا ارادہ کیا ہے کہ اس تناظر میں کہ آج کے حالات کے حوالے سے نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اسوۂ حسنہ سے ہم کیا سبق سیکھ سکتے ہیں، کچھ سوالات آپ کے سامنے رکھوں ———

دیکھیے! بعض اوقات جواب دینے کی بجائے سوال اٹھانا بھی اہمیت رکھتا ہے اور اس کے لیے بھی کچھ تعقل اور تفکر درکار ہوتا ہے۔ میرے ایک استاد (اللہ انہیں جنت نصیب فرمائے) کہا کرتے تھے کہ ان کا مشاہدہ یہ ہے کہ ۹۸ فیصد لوگوں کو سوال کرنا نہیں آتا اور ۹۹ فیصد لوگوں کو جواب دینا نہیں آتا۔ بہر حال میں یہ عرض کررہا تھا کہ میں آپ کے سامنے آج کچھ سوالات اٹھانا چاہتا ہوں جن کا گہرا تعلق آج کے حالات سے ہے۔ میں نے جو تین موضوعات منتخب کیے ہیں ان میں سے ایک اتحاد امت یا

اتحاد بین المسلمین ہے۔ دوسرے کا تعلق تعلیم سے اور تیسرے کا تزکیہ وتربیت سے ہے۔

اتحاد امت/ اتحاد بین المسلمین

آیئے دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعلیمات کیا ہیں؟ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ''یاایھا الناس! انما المومنون اخوہ ـــ ان دماء کم واموالکم واعراضکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم کحرمۃ یومکم ھذا، فی شھرکم ھذا، فی بلدکم ھذا'' یعنی اے لوگو! بے شک سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔۔۔تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر قیامت تک کے لیے حرام ہیں، اِس دن (یوم عرفہ) کی حرمت کی طرح، اس مہینے (ذوالحجہ) کی حرمت کی طرح اور اس شہر (مکہ مکرمہ) کی حرمت کی طرح۔

آیئے اب آنجناب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ارشادات کی روشنی میں اپنا جائزہ لیں۔ پہلی بات آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ ارشاد فرمائی کہ سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم آج اپنے مسلک سے باہر کے مسلمانوں کو بھائی سمجھتے ہیں؟ نہیں صاحب! انہیں بھائی سمجھنا تو درکنار ہم تو انہیں مسلمان اور مومن ہی نہیں سمجھتے۔ ہم نے تو لوگوں کو کافر بنانے کی فیکٹریاں لگا رکھی ہیں۔ ہم اپنے مسلک سے باہر کے مسلمانوں کو کافر کہنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاتے! آپ ان کو کافر کہتے ہیں وہ آپ کو کافر کہتے ہیں چلیے قصہ ختم ہوا کہ مسلمان تو کہیں ہیں ہی نہیں۔ سارے ہی کافر ہیں۔ جب وہ کافر ہیں تو کہاں کی اخوت اور کہاں کا بھائی چارہ؟ وہ تو دشمن ہیں قابل گردن زدنی ہیں۔ ان کو مارنے والا یا تو غازی ہے یا شہید، ثواب ہی ثواب۔ اب پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ مومنوں کا خون ایک دوسرے پر حرام ہے ـــ لیکن جب ہم انہیں مومن ہی نہیں سمجھتے تو ان کا خون ہم پر حرام کیسے ہوسکتا ہے؟ خون تو مومنوں کا حرام ہے؟

کوئی غور نہیں کرتا کہ ہمارا خدا ایک ہے، رسول ایک ہے، کتاب (قرآن) ایک ہے، ہم آخرت پر یقین رکھتے ہیں ہم سب نماز، روزے، زکوۃ، حج اور جہاد کے قائل ہیں اخلاقیات میں اچھے اخلاق (صدق، امانت، عفت، اعتدال۔۔۔) اور بُرے اخلاق (جھوٹ، فراڈ، غیبت، چغلی۔۔۔) کے ہمارے تصورات یکساں ہیں۔ معاملات میں (معیشت، معاشرت، سیاست، تعلیم ،

قانون۔۔۔وغیرہ) کے بارے میں قرآن وسنت کی تعلیمات ہمارے درمیان مشترک ہیں۔لیکن ہم ان بہت سارے مشترکات کو پرکاہ کی اہمیت نہیں دیتے اور جو تھوڑے بہت اختلافات ہیں انہیں اچھالنے میں لگے رہتے ہیں۔

دیکھیے! میں یہ نہیں کہتا کہ ہم میں کوئی اختلاف نہیں۔ یقیناً ہمارے اندر اختلافات موجود ہیں لیکن جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمیں مشترکات کو بنیاد بنانا چاہیے اور اختلاف رائے کو برداشت کرنا چاہیے۔ اختلاف کو تعصب اور نفرت کی بنیاد نہیں بنانا چاہیے، اسے قاطع اخوت و محبت نہیں بنانا چاہیے۔

اِس پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایک کتاب نازل ہوئی تھی جسے قرآن حکیم کہتے ہیں جو اللہ کا کلام ہے۔اس کتاب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتے ہیں: ''وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا وَ کُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ'' (آلعمران ۱۰۳:۳)۔ 'یعنی اور سب مل کر اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور الگ الگ نہ ہو جاؤ۔ اللہ کا یہ انعام نہ بھولو جو اس نے تم پر کیا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ اس سے پہلے تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے مگر اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔'

اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور تفرقہ نہ پھیلاؤ ــــ لیکن ہم دھڑلّے سے تفرقہ پھیلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے مسلمانوں پر خصوصی نعمت شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے لیکن اسلام کی برکت نے تمہیں جوڑ دیا اور تم میں اخوت پیدا کر دی ــــ لیکن یہ کیسا ایمان ہے کہ ہم ایمان لانے کے بعد بھی ایک دوسرے کے دشمن ہیں؟ یہ کیسا اسلام ہے جو ہمیں توڑتا ہے جوڑتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے لیکن اللہ نے تمہیں ہدایت دی اور اس گڑھے میں گرنے سے بچا لیا ــــ لیکن ہم انتشار و افتراق کی آگ کے گڑھے میں گرنے پر بضد ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ اللہ کی ہدایت کی نفی اور اس سے محرومی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ’’وَ لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَ اخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡبَیِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ۔ یَّوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡہٌ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡہُہُمۡ اَکَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ‘‘(آل عمران ۱۰۵:۳۔۱۰۶)۔’’اور دیکھو، ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور دین کے بارے میں جھگڑنے لگے جبکہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے بڑی واضح دلیلیں آ چکی تھی۔ ایسے لوگوں کو اس دن بڑا عذاب ہوگا جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہروں پر سیاہی چھا جائے گی —— ان سے کہا جائے گا کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے؟ تو اب اپنے اس کفر کے بدلے میں عذاب کا مزا چکھو‘‘۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اسلام کی ہدایت پا لینے کے باوجود متحد ہونے کی بجائے منتشر ہوتے ہیں اور تفرقہ پھیلاتے ہیں ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے کیونکہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ کفر ہے، وہ ایمان کی نفی ہے لہٰذا ان کی سزا یہی ہے کہ قیامت کے روز وہ روسیاہ ہوں گے، ان کے چہروں پر پھٹکار برس رہی ہوگی اور وہ جہنم اور اللہ کی ناراضی کے مستحق ٹھہریں گے۔ یہ ہے نتیجہ مسلمانوں میں انتشار و افتراق پھیلانے کا اور فرقہ واریت اور مسلک پرستی کو فروغ دینے کا، کہ آخرت کی رسوائی مقدر بنے گی۔

اسی قرآن میں یہ بھی ہے کہ ’’وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَ تَذۡہَبَ رِیۡحُکُمۡ وَ اصۡبِرُوۡا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ‘‘ (الانفال ۴۶:۸)۔’یعنی اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تمہارے اندر کمزوری آ جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘

گویا امت میں انتشار و افتراق کا اور آپس میں لڑائی جھگڑے کا لازمی نتیجہ ہے کمزوری، ہوا خیزی اور ناکامی گویا دنیا کی بھی رسوائی۔ لہٰذا ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تو امت کو جوڑنے آئے تھے اور انہوں نے ہمیں امت کو جوڑ کر دکھا دیا لیکن ہم نام تو ان کا لیتے ہیں، اپنی نسبت تو ان سے جوڑتے ہیں لیکن کام امت کو توڑنے والے کرتے ہیں؟ ہم متحد کیوں نہیں ہوتے؟ اپنے مسلک سے باہر والے مسلمانوں کو کافر کیوں کہتے ہیں اور انہیں امت سے کیوں کاٹتے ہیں؟

تربیت و تزکیہ

ہمارا دوسرا سوال نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے طریق تربیت و تزکیہ اور اس کے اثرات سے متعلق

ہے۔قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر واعظم کو اس لیے مبعوث فرمایا تھا کہ وہ جن لوگوں میں مبعوث کیے گئے تھے، مناسب تعلیم سے ان کی ایسی تربیت کریں، ان کے نفوس کا ایسا تزکیہ کریں، ان کی شخصیت کی تعمیر اس انداز سے کریں کہ وہ اللہ کی پسندیدہ زندگی گزار سکیں۔ ''كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ'' (البقرہ ۲:۱۵۱) 'جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان ایک رسولؐ بھیجا ہے جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، تمہیں پاک کرتا ہے، کتاب وسنت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی باتیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔'

گویا نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بنیادی مقصد بعثت تھا لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کرنا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ساری عمر، اپنی ساری صلاحیتیں اور قوتیں صرف کرکے اور دن رات محنت کرکے یہ کام کیا اور یہ دنیا چھوڑنے سے پہلے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن لوگوں سے پوچھا ''**الاھل بلغتُ**؟'' یعنی کیا میں نے تم تک دعوت پہنچانے کا حق ادا کر دیا؟ سب لوگوں نے جواب دیا ''**نعم بلغتَ**'' ہاں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعوت پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہوئے کہا ''**اللھم فاشھد**'' یعنی اے اللہ گواہ رہیے! صحیح روایات میں آتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین دفعہ لوگوں سے پوچھا اور تینوں دفعہ آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر اللہ کو گواہ ٹھہرایا۔ گویا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے گواہی دی کہ میں نے ساری زندگی جانگسل جدوجہد کرکے دعوت پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہے — امت نے بھی گواہی دی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ حق ادا کر دیا ہے۔ اور اللہ نے بھی قرآن میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کامیابی کی گواہی دی ہے (دیکھیے مثلاً سورہ النصر)۔

لیکن ہم میں سے بعض شائد یہ سمجھتے ہیں کہ نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ حق ادا نہیں کیا؟ کیوں؟ کیا ہم میں سے کچھ لوگ نہیں کہتے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عمر لگا کر جن ساتھیوں کی تربیت کی وہ ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے تھے، وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ نہیں تھے، وہ ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرتے تھے بلکہ وہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے تھے، وہ ایک دوسرے کے حقوق غضب کرتے تھے؟ نعوذ باللہ! اگر یہ سچ ہے تو کیا یہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوت وتزکیہ کی ناکامی کا اعلان اور اس کے اثرات پر طعن نہیں ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے ساتھیوں کے نفوس کے تزکیے کا کام صحیح

طور پر نہیں کیا؟— اس حالت میں کہ ہم آپ(ﷺ) کو نبی مانتے ہیں، آپ(ﷺ) کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں، آپ(ﷺ) سے محبت ونسبت کے دعوتے کرتے ہیں۔تو ہمارا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا ہمارا نبی (ﷺ) کے ساتھیوں پر حرف زنی کرنا دراصل نبی مکرم (ﷺ) کے اسلوب تربیت وتزکیہ کو ناقص اور ناکام قرار دینے کے مترادف نہیں ہے؟

نظام تعلیم

ہمارا تیسرا اور آخری سوال نظام تعلیم کے حوالے سے ہے کہ آپ(ﷺ) کی ڈیوٹی اللہ تعالیٰ نے یہ لگائی تھی کہ ’’**یعلمکم الکتاب و الحکمۃ**‘ یعنی وہ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔(یہ الفاظ قرآن حکیم میں معمولی تبدیلی سے چار دفعہ آئے ہیں دیکھیے البقرہ ۲:۱۲۹، ۱۵۱، آلعمران ۳: ۱۶۴ اور الجمعہ ۶۲: ۲) چنانچہ آپ(ﷺ) نے تعلیم کتاب وحکمت کے ذریعے اپنے مخاطبین کی ایسی تربیت کی اور ان کی شخصیت کا ایسے تزکیہ کیا کہ وہ جامع اور متوازن شخصیت کے حامل بن گئے۔ وہ دین و دنیا دونوں کے امام بن گئے۔ وہ رات کو مصلے پر ہوتے تھے تو دن کو گھوڑوں کی پیٹھوں پر۔ وہ دین و دنیا اور دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی اور دونوں میں کامیابی کا ماڈل بن گئے۔ یہ وہ کام تھا جو نبی کریم (ﷺ) نے کیا لیکن آج ہم ان کے نام لیوا کیا کررہے ہیں؟ ہم نے اپنے نظام تعلیم کو دو حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔ ایک کو ہم دینی تعلیم کہتے ہیں اور دوسرے کو دنیوی۔ دینی تعلیم والوں کو دنیا کی کوئی خبر نہیں اور دنیاوی تعلیم والے دینی تعلیم وتربیت سے محروم ہیں۔ اس طرح ہم ایک طرف تو ملا اور مولوی پیدا کررہے ہیں اور دوسری طرف مسٹر لیکن یہ دونوں انتہائیں آپس میں کہیں نہیں ملتیں بلکہ مشرق و مغرب کی طرح ہمیشہ ایک دوسرے سے فاصلے پر رہتی ہیں۔ اس تعلیمی سیکولرزم نے معاشرے میں یک جہتی اور ہم آہنگی آج تک پیدا نہیں ہونے دی اور اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ معاشرہ اور ریاست چلانے کا نظام ان لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے جو دینی تعلیم وتربیت سے محروم رہے ہیں۔ چنانچہ نہ انہیں اسلام کی خبر ہے اور نہ ان کی اسلامی مفادات اور تقاضوں پر نظر ہے اور وہ آسانی سے شیاطین مغرب کے جال میں جا پھنستے ہیں اور مسلم ریاست کے وسائل اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور مغربی فکر وتہذیب اور اصول و اقدار کو اپنے معاشرے میں رائج اور نافذ کرنے میں سرگرمی دکھاتے ہیں۔

تو ہمارا تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے اپنا نظام تعلیم وضع کرتے اور چلاتے ہوئے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا ہے؟ کیا ہم اپنے تعلیمی اداروں میں اس طرح کی جامع اور متوازن شخصیت پیدا کر رہے ہیں جس طرح کی شخصیت آنجناب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمیں پیدا کر کے دکھائی تھی؟ جو دین و دنیا کی جامع ہو، جو متوازن ہو۔ جو ایسے عالم پیدا کرے جو مسلک کی بجائے دین کے عالم ہوں اور دنیاوی علوم سے بھی متعارف ہوں اور ایسے عامی پیدا کریں جو دنیاوی مہارتیں رکھنے کے ساتھ دینی معارف سے بھی آگاہ ہوں اور دینی تربیت سے بھی مزین ہوں!

تلخیص بحث

برادران عزیز! سیرت کی مجالس منعقد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں جب تک ہم اس امر پر غور نہ کریں ـــــ اور معاف کیجیے گا غور وفکر اور تدبر و تفکر یعنی سوچنا خود بہت عظیم، صالح اور تعمیری عمل ہے لیکن ہم نے بالعموم اس سے بھی جان چھڑا رکھی ہے اور ہم اپنے قوائے فکریہ کو تکلیف دیتے ہی نہیں ـــــ کہ ہم آج کے حالات میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اسوۂ حسنہ سے کیا سبق سیکھ سکتے ہیں اور انہیں اپنی زندگیوں میں کیسے منطبق کر سکتے ہیں؟ تو ہم نے اسی تناظر میں آج تین اہم موضوعات پر تین اہم سوال آپ کے سامنے رکھے ہیں جنہیں میں دہراتا ہوں تا کہ وہ آپ کے ذہن میں رہیں اور آپ ان کے جوابات پر غور کریں۔

۱۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے امت کو جوڑ کر دکھایا اور اس سے جڑے رہنے کی تلقین کی۔ کیا ہم امت سے جڑے ہوئے ہیں؟ کیا ہم امت کو جوڑ رہے ہیں؟

۲۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے ساتھیوں کی اسلامی اور اخلاقی تربیت کرنے میں کامیاب رہے تھے یا ناکام؟ اگر کامیاب رہے تھے (جیسا کہ قرآن کہتا ہے اور خود آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اور امت نے اس کی گواہی دی) تو ہمارے لیے کیسے روا ہے کہ ہم نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ان ساتھیوں پر انگلی اٹھائیں جن کی تربیت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کی تھی؟

۳۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے نظام تعلیم و تربیت سے جس طرح کا دین و دنیا کا جامع اور متوازن فرد تیار کیا تھا کیا ہم اپنے تعلیمی اداروں میں اسی طرح کا جامع اور متوازن فرد تیار کر رہے ہیں جو بیک وقت دین و دنیا کی بھلائیاں سمیٹنے کا اہل ہو؟

میری کوشش تھی کہ کوئی بات ایسی نہ کہوں اور ایسے اسلوب میں نہ کہوں جس سے آپ کا دل دکھے

۔اس کے باوجود اگر میری کسی بات سے آپ کی دل آزاری ہوئی ہوتو اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ اللھم صل و سلم علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ و ارزقنا اتباعہ۔

مولانا سید حسین احمد مدنی

۱۹۳۳ء میں مولانا مدنی کے وضع کردہ نئے نصاب کی تفصیلات (۴)

قوانین وضوابط و ہدایات برائے منتظمین و مدرسین

۱۔ تدریس کا ابتدائی سال نصف ماہ شوال سے شروع ہوگا۔ اور انتہاء نصف شعبان پر ہوگی۔ اوّل شعبان سے سالانہ امتحان ہوگا۔

۲۔ روزانہ تدریس چھ گھنٹے ہوگی مگر ہر گھنٹہ پچاس منٹ کا شمار کیا جائے گا۔

۳۔ تدریس ہمیشہ دس بجے سے لے کر چار بجے تک ہوا کرے گی۔ مگر ایام کی چھوٹائی اور بڑائی کے لحاظ سے حسب ضرورت درس کے گھنٹے کو مقدم اور مؤخر کیا جائے گا۔

۴۔ درمیان میں ظہر کے وقت نماز اور وضو اور جماعت کے لیے ۴۰ منٹ چھٹی دی جائے گی مگر طلبہ کو آدھ گھنٹہ میں نماز سے فارغ ہوکر باقی وقت دارالمطالعہ میں صرف کرنا ہوگا۔

۵۔ علاوہ ہفتہ کے وقت میں ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کرنے کے طلباء کو جمعہ کے دن بعد از جمعہ مزید تقریر، مناظرہ، وعظ کی مشق کرنی ہوگی۔

۶۔ جمعرات کے دن آخری وقت میں ڈیڑھ گھنٹہ طلباء کو جماعت بندی کے ساتھ تقریر کرائی جائے گی۔

۷۔ درمیان سال میں فقط عید الضحیٰ کے چھ دن اور عاشورا کے دو دن کی تعطیل ہوا کرے گی۔

۸۔ ہفتہ میں صرف جمعہ کے دن تعطیل ہوا کرے گی۔

۹۔ رعایتی رخصت بضرورت صرف تین دن ماہوار دی جاسکتی ہے۔

۱۰۔ منتظمین کو کوشش کرنا چاہیے کہ طلباء سب کے سب ایک جگہ رہیں اور ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام ایک ہی جگہ ہوا کرے۔ جاگیروں میں اور دور دور رہنے سے وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ اخلاقی تاثیر جو روح رواں تعلیم کی ہے ایسی حالت میں اساتذہ کی ارواح وقلوب سے بہت کمزور

ہوجاتی ہے۔ اجانب اور غیر اشخاص کی مصاحبت سے بہت زیادہ خطرناک اور زہریلا اثر طلباء پر ہوتا ہے۔

۱۱۔ مدرسین کو لازم ہے کہ اپنی وضع قطع علمی اور روحی کیفیات ایسی بنائیں جس کا نہایت عمدہ اثر طلباء پر پڑے اور حتی الوسع نہ صرف ممنوعات ومکروہات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں بلکہ مواقع تہمت اور لا یعنی امور سے بھی اسی طرح گریزاں رہیں جس طرح سانپ اور بچھو سے گریزاں رہتے ہیں۔ طلباء کی اخلاقی اصلاح کی ذمہ داری مدرسین اور صرف مدرسین ہی پر ہے۔

۱۲۔ تعلیم کے اوقات میں پوری کوشش کریں کہ طلباء مضامین کتاب کو بخوبی سمجھ لیں مگر تقریر کو اس قدر طویل نہ کیا جائے جس سے وقت بھی ضائع ہو اور طلباء کے اذہان احاطہ سے قاصر رہیں نفس مطلب اور ضروری متعلقات پر اختصار کریں۔

۱۳۔ مدرسین پر لازم ہے کہ وہ طلبہ کی طرف سے تغافل کو کسی طرح روا نہ رکھیں اور ان کی تعلیمی جانچ پڑتال اور خبر گیری رکھتے ہوئے اخلاقی حالات کو بھی ہمیشہ زیر نظر رکھیں اور ہمیشہ حکمت اور موعظہ حسنہ سے ان کی اصلاح کرتے رہیں۔

۱۴۔ ماہوار یا کم از کم ہر سہ ماہی میں طلباء کا امتحان لیا جائے۔

۱۵۔ طلباء کی حاضری کا پورا خیال رکھا جائے، ان کو ڈھیل ہرگز نہ دی جائے اور منتظمین اس کا خیال رکھیں کہ کہیں وہ مجامع غیر جائزہ اور افعال ناشائستہ کے مرتکب تو نہیں ہوتے۔

۱۶۔ طلبہ کو جلدی جلدی اپنے اوطان کو جانے اور ناغہ کرنے سے بھی برابر روکا جائے۔

۱۷۔ مدرسہ میں کتب خانہ ہونا ضروری ہے جس میں کتب درسیہ اور ان کے شروح وحواشی مکمل طریقہ پر موجود ہوں تا کہ مدرسین اور طلباء بوقت ضرورت استفادہ کرسکیں۔

۱۸۔ مدرسہ میں دارالمناظرہ ہونا ضروری ہے جس میں مناظرہ کے متعلق ہر مذہب کی کتابیں اور ان کے رد والی کتابیں موجود ہوں تا کہ طلباء مشق مناظرہ کے لیے ان سے مدد حاصل کرسکیں۔

۱۹۔ مدرسین کو لازم ہے کہ کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کر کے پڑھایا کریں اور طلباء کو صحیح مطالب سہل طریقہ پر سمجھایا کریں۔

۲۰۔ جہاں تک ممکن ہو مدرسین اور منتظمین طلباء پر سختی روا نہ رکھیں اور ان کو ترغیب اور طمع دے کر شدت اجتہاد اور ترقی کے میدان میں گامزن کریں۔

۲۱۔ چھوٹے بچوں پر زیادہ تر شدت اور مار پیٹ کی بوچھار نہ کی جائے بلکہ ان کو لطائف حیل سے تعلیم کا گرویدہ بنالیا جائے۔

۲۲۔ طلباء کے افکار وارواح میں مثل مذہبیت، قومیت اور وطنیت کی روح بھی پھونکنی نہایت ضروری ہے اس لیے مدرسین اور منتظمین کو اس کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے اور اپنی علمی اور قولی سرگرمیوں سے ان پر پورا مگر گہرا اثر ڈالنا چاہیے۔

۲۳۔ مدرسین اور منتظمین کو خصوصاً اور طلباء کو عموماً ہمیشہ کھدر پہنتے ہوئے خیال رکھنا چاہیے کہ وہ علی الدوام اس کوشش میں رہیں کہ جہاں تک ہوسکے اپنی وطنی اشیاء کو استعمال میں لائیں۔

۲۴۔ بنگلہ، انگریزی، جغرافیہ، سائنس جدید، حساب، مساحت، اقتصادیات، سیاسیات، تواریخ، اقلیدس، نقشہ نویسی وغیرہ کے لیے ایسے ماسٹر رکھے جائیں جو ان فنون اور ان کے طرز تعلیم سے بخوبی واقف ہوں اور جب تک کہ عربی تعلیم یافتہ ایسے افراد ہاتھ نہ آئیں جو کہ ان فنون کے جامع ہوں جب تک یہی کاروائی جاری رہے۔

۲۵۔ قرآن شریف کی تعلیم کے لیے ایسا استاد ہونا ضروری ہے کہ جو تجوید سے اچھی طرح واقف ہو تا کہ ابتدا ہی سے بچوں کو عملی طریقہ پر تجوید کی مشق کراتا ہوا قرآن پڑھا سکے۔ تجوید سے ناواقف شخص جو کہ باقاعدہ اداء حروف وکلمات نہیں کرسکتا ہرگز مدرس نہ مقرر کیا جائے۔

۲۶۔ ایک ایسا استاد بھی مدرسہ میں ہونا ضروری ہے جو کہ وقت معین پر روزانہ طلباء کو فنون سپہ گری کی مشق کرایا کرے تا کہ پٹہ، بنوٹ، لکڑی تلوار وغیرہ فنون آسانی سے اور جلد طلبہ کے ہاتھ میں آجائیں اور ان کی صحت بھی درست رہے۔

۲۷۔ جو فنون بلا مشق مکمل نہیں ہوسکتے ان میں تمرین اور مشق کا پورا اور بہت زیادہ خیال رکھا جائے جیسے حساب، مساحت، صرف ونحو وغیرہ وغیرہ۔

۲۸۔ ہر مدرسہ میں شعبۂ حفظ قرآن ضرور ہونا چاہیے۔ جو بچے قرآن حفظ کریں ان کی ترغیب کا بھی کوئی خاص طریقہ ہونا چاہیے اور درجہ ابتدائیہ میں ان کے لیے دوسرے فنون میں تخفیف کردی جائے اور بجائے تین سال ان کو پانچ سال دیئے جائیں۔

۲۹۔ تمام طلباء کی وردی (یونیفارم) ایک ہونی چاہیے یعنی ترکی ٹوپی یا کھدر کی محمد علی کیپ اور سیاہ کھدر کی شیروانی اور سفید کھدر کا پاجامہ، جب تک وہ مدرسہ میں رہیں ان پر لازم وواجب ہوگا کہ اس لباس میں رہیں۔

۳۰۔ علماء مدرسین کو اوقات تدریس میں عمامہ اور عبایا وجبہ کا استعمال ضروری ہے جن کا کھدر کا ہونا لازم ہوگا۔

۳۱۔ طلباء کی وردی پر سنہرے یا دوسرے قسم کے کلابتوں یا ریشم سے ان کا درجہ اور سال گلے کے کالر یا بازو کی آستین پر ثبت ہونا چاہیے۔

پروفیسر عطاء اللہ چودھری ☆

یکساں نظام تعلیم: اسلامی تناظر میں مجوزہ خاکہ

موجودہ تعلیمی حالات سے قطع نظر مملکت خداداد پاکستان کے لیے ایک مثالی (یکساں، دنیوی اور دینی تعلیم کی تفریق ختم کر کے) اسلامی نظام تعلیم کا خاکہ پیش خدمت ہے۔

ا۔ مملکت جس کا ہر شہری خواندہ ہو، خواندگی میں قرآن مجید کی صحت کے ساتھ تلاوت کرنا بھی شامل ہے

۲۔ ثانوی تعلیم کا حامل (ایف اے پاس) ہر فرد قرآن مجید عربی قواعد کے ساتھ سمجھ سکتا ہو۔ تراویح میں سماعت کے دوران سمجھتا بھی ہو۔ رائج الوقت عصری علوم کے ساتھ حدیث، سیرت اور روزمرہ فقہ کا معقول علم رکھتا ہو۔

آغاز کار

5/4 سال عمر کے بچے کی تعلیم کا آغاز قرآن مجید ناظرہ سے ہو۔

بالخصوص مساجد کے ساتھ کم از کم تین سالہ با قاعدہ تعلیم کے مراکز قائم کیے جائیں۔

قرآنی قاعدہ پڑھ لینے کے معاً بعد قومی زبان اردو کا قاعدہ پڑھایا جائے

اس کے ساتھ گنتی کے ذریعے ریاضی کا آغاز کیا جائے۔

اردو زبان کے ذریعے قریبی ماحول کے ساتھ آداب و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

ا۔ جب بچہ تیسری جماعت پاس کرلے تو صحت (تجوید) کے ساتھ قرآن مجید ناظرہ مکمل کر چکا ہو۔

۲۔ اردو کی ابتدائی (پڑھنے، لکھنے اور خوشخطی کی) صلاحیت پیدا ہو چکی ہو۔

۳۔ ریاضی میں گنتی اور پہاڑوں کے بعد سادہ جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کے سوال حل کرنے کا اہل ہو۔

۴۔ نشست و برخاست کے آداب کے ساتھ صفائی، ستھرائی، وضو اور نماز کے طریقے سیکھ

☆ ڈائریکٹر جامعہ دارالاسلام، جوہر آباد (خوشاب)

چکا ہو۔ (قریبی ماحول گھر، مسجد، مدرسے) کے بارے میں معلومات اردو میں پڑھ لے۔
ہمارے نزدیک اسلامی جمہوریہ پاکستان کا خواندہ شخص وہی شمار ہونا چاہیے جو کم از کم مندرجہ بالا تعلیم حاصل کر چکا ہو۔
پرائمری پاس بچہ مندرجہ بالا مہارتوں کو مستحکم کرے گا۔
مزید اسلامی عقائد، مقصدِ حیات کو بچے کی ذہنی سطح کے مطابق ذہن نشین کرایا جائے۔

اللہ بادشاہ ہے ہم اس کی رعایا ہیں۔ یہاں سب کچھ اس کا ہے۔ اس نے سب چیزیں امانت کے طور پر ہمیں دے رکھی ہیں۔ انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کا سامان پیغمبر علیہ السلام اور قرآن مجید کے ذریعے کیا گیا ہے۔ زندگی اور صلاحیتیں بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ ہم سب اپنے مالک و رب کے سامنے اپنے اعمال کے بارے میں جواب دہ ہیں۔ اپنے رب کو ماننے اور اس کی اطاعت کرنے اور اس کی امانتوں کو ضائع نہ کرنے والوں سے مالک راضی ہوگا اور انعامات دے گا۔ جو اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے اور اس کی امانتوں کو ضائع کرتے ہیں انہیں وہ آخرت میں سزا دے گا وغیرہ۔ انبیاء آسمانی کتب، رسالت اور آخرت کو سادہ اور دل نشین انداز میں ذہنوں میں بٹھایا جائے۔
عام فہم زبان میں انبیاء کے حالات کو اردو زبان میں پیش کیا جائے۔

اسلامی اخلاق، امانت، دیانت، سچائی، ایفائے عہد وغیرہ کو صلحاء کے تاریخی واقعات کے ذریعے ذہن نشین کیا جائے۔ اردو زبان میں معلومات عامہ، تاریخ، جغرافیہ اور اسلامی معلومات سائنس وغیرہ کو سمویا جائے۔ پرائمری پاس طالب علم قرآن مجید تجوید کے ساتھ پڑھنے کے علاوہ اردو، ریاضی اور خوشخطی وغیرہ ابتدائی مہارتیں سیکھ لے۔ اسلامی آداب و اخلاق کو سمجھ کر اختیار کرلے نیز ثانوی تعلیم کے لیے پختہ بنیاد مہیا ہو۔
پرائمری اور مڈل کی تعلیم سب کے لیے یکساں ہو۔

جماعت ششم میں اردو کے ساتھ فارسی اور انگریزی زبانوں کا اضافہ کیا جائے۔ فارسی ہندو پاک میں علم و ادب کے علاوہ مسلمان حکمرانوں کی زبان رہی ہے۔ اس میں ماضی کا بہت بڑا علمی ذخیرہ ہے۔ اقبال اور سعدی کا اعلیٰ کلام اسی زبان میں ہے۔ قریبی اسلامی ہمسائے ایران، افغانستان وغیرہ اہم ممالک کی زبان بھی فارسی ہے۔ اس لیے اسے مڈل تک بطور اختیاری مضمون پڑھانے میں کوئی مضایقہ نہیں بلکہ اردو پڑھنے لکھنے میں بہت مددگار ثابت ہوتی ہے۔

عربی، قرآن وسنت کی زبان ہے اس سے کوئی پڑھا لکھا مسلمان کیونکر بے نیاز ہوسکتا ہے۔ اردو کے بعد عربی کو بطور لازمی مضمون پڑھایا جانا چاہیے۔ گزشتہ دور میں اسے لازمی مضمون کے طور پر رکھا گیا تھا لیکن اس کا نصاب آسان سے مشکل کی طرف حکیمانہ نہیں تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ پڑھانے کے لیے اساتذہ نہیں تھے اور جو تھے انہیں آسان اور عام فہم انداز میں پڑھانے کی تربیت نہیں دی گئی تھی۔ اب جبکہ مجوزہ نظام تعلیم میں دینی اور دنیاوی موجودہ دونوں نظاموں کو ضم کرنا ہے تو اس کے لیے عربی زبان کی تعلیم سب کے لیے لازمی اور مؤثر ہونی چاہیے۔ کوئی بھی تعلیم یافتہ فرد چاہے وہ سائنس دان ہو، ماہرِ معاشیات یا ماہر سیاست ہو اس کی براہ راست رسائی قرآن وسنت تک ضروری ہے۔ یہ عربی زبان کے بغیر ممکن نہیں۔ حقیقتاً اسلامی مملکت میں قومی زبان کے بعد اہم ترین زبان عربی ہی ہوسکتی ہے۔

مڈل کے بعد موجودہ سسٹم میں طلبہ کو دو شعبوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ہماری تجویز یہ ہے کہ اس مرحلہ میں طلبہ تین شعبوں میں بانٹ دینے چاہئیں۔ موجودہ تقسیم سائنس اور آرٹس کی ہے۔ ہماری رائے میں یہ تقسیم سائنس، علوم اجتماعیہ(Social Sciences) اور تخصص فی القرآن و الحدیث (علومِ اسلامیہ) کی ہونی چاہیے۔ تینوں شعبوں میں قرآن و حدیث کی تعلیم مسلسل جاری رہنی چاہیے۔ اس وقت درسِ نظامی کے لیے نرسری کا کوئی بندوبست نہیں۔

موجودہ سکول سسٹم میں سے مڈل/میٹرک پاس طلبہ کو درسِ نظامی میں داخل کیا جاتا ہے۔ مڈل تک عربی زبان کی مؤثر تدریس ہو تو یہی طلبہ درسِ نظامی کے اولیٰ وثانیہ تک کی صرف ونحو پڑھ چکے ہوتے ہیں۔ (ہم جامعہ دارالاسلام میں اس کا عملاً تجربہ کر چکے ہیں) ان مڈل پاس طلبہ کو قرآن وسنت میں تخصص کے لیے شعبہ منتخب کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔

مڈل تک تمام طلبہ ایک سے مضامین پڑھتے ہیں اس کے بعد سائنس اور آرٹس میں بٹ جاتے ہیں۔ ہماری رائے میں مڈل کے بعد سائنس، علومِ اجتماعیہ اور علومِ اسلامیہ (شریعہ) کے شعبہ جات میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا موقع دینا چاہیے اگرچہ آئندہ جماعتوں میں بھی عربی کے ذریعہ قرآن وسنت کی تعلیم جاری رہے گی۔ آئندہ چار سال یعنی ایف اے تک تمام شعبوں میں اس کا اچھا خاصا حصہ بنے گا لیکن چار سالوں میں سائنس پڑھنے والوں کے مقابلہ میں علوم اجتماعیہ کے طلبہ کو قرآن وسنت کا زیادہ مطالعہ کی ضرورت پڑے گی جبکہ علومِ اسلامیہ میں تخصص کرنے والوں کو ان

چاروں سالوں میں تفصیل کے ساتھ قرآن وسنت کا علم حاصل کرنا ہوگا۔

ایف ایس سی کے بعد سائنس کے طلبہ میڈیکل، انجینئرنگ یا سائنس کے دیگر شعبوں میں چلے جائیں گے۔ ان سب کا پڑھے ہوئے قرآن وسنت کا تکرار (اعادہ) بھی جاری رہنا چاہیے اور ان کے شعبہ جات کے لحاظ سے قرآن وسنت کا مزید علم بھی ملتے رہنا چاہیے۔ علوم اجتماعیہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں مطالعہ کرنا اور ڈھالنا ہے اس لیے انہیں قرآن وسنت کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے جبکہ وہ لوگ جو مستقبل میں قرآن وسنت، دعوۃ، ابلاغ، فقہ اور قانون میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں انہیں قرآن وسنت کے گہرے اور تحقیقی مطالعہ کی اسی مرحلہ پر عادت ڈالنی چاہیے۔

چار سالہ ثانوی نہم تا دوازدہم (9 تا 12) تعلیم کے بعد بی اے کی موجودہ چار سالہ خصوصی تعلیم کو اختیار کرنا چاہیے اس کے بعد ایم فل اور پی ایچ ڈی کی اختصاصی تحقیقی تعلیم ہونی چاہیے۔

اس ساری تعلیم میں سیرت اور کردار سازی پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ علم کے ساتھ عمل اور اعلیٰ اخلاق تعلیم وتربیت کا حصہ ہونا چاہیے۔

بچیوں کی تعلیم

عورتوں کو مردوں والی تعلیم دینا خلاف فطرت اور ظلم ہے۔

عورت کا حقیقی کردار ماں کا ہے لہٰذا بچیوں کی جملہ تعلیم اسی مقصد کے پیش نظر ہونی چاہیے۔ اسلامی مائیں ہی اسلامی نسل تیار کر سکتی ہیں۔

گھر میں بچے کی تربیت کے علاوہ عورتوں کو جو فرائض معاشرے کے اجتماعی مفاد میں ادا کرنا پڑتے ہیں ان میں بھی عورتوں کی ڈیوٹی مردوں کے مقابلہ میں نصف ہونی چاہیے۔ عورتوں کو عورتوں کی تعلیم، ان کا علاج معالجہ وغیرہ کی اضافی ذمہ داری ادا کرنا پڑتی ہے۔ موجودہ ظالمانہ نظام میں عورتوں سے مردوں والا کام لیا جاتا ہے اور حق خدمت دوسروں کے مقابلے میں کم دیا جاتا ہے حالانکہ عورتوں کو گھر سے باہر اگر ذمہ داری دی بھی جائے تو وہ مردوں کے مقابلہ میں نصف اوقات کی ہونی چاہیے تاکہ نصف وقت وہ گھر میں اپنے بچوں کو دے سکیں۔ عورتوں کو نصف گواہی اور لڑکے کے مقابلہ میں نصف وراثت سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے بلکہ ملازمت پیشہ عورتوں کو ٹرانسپورٹ یعنی pick & drop کی سہولت بھی ملنی چاہیے۔

احیائے اسلام

کسی معاشرہ کی اصلاح کے لیے، حکومت سمیت کچھ اداروں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ان میں تعلیم کے مراکز (تعلیمی ادارے) مساجد اور ابلاغ عامہ (پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا) کا مقام سرفہرست ہے۔ اسلامی معاشرہ کی اصلاح اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا ہوتی ہے لہٰذا ان سب کے پاس اسلام یعنی قرآن وسنت کا گہرا اور وسیع علم ہونا ناگزیر ہے۔

مسلم معاشرہ میں سب سے اہم ادارہ مسجد ہے لہٰذا اسے اپنے اردگرد کی آبادی کی اصلاح کے لیے مرکزی مقام حاصل ہونا چاہیے۔ مسجد کے بنیادی کردار کے احیاء کی ضرورت ہے۔ مجوزہ نظام سے ہر فرد اچھا خاصا قرآن وسنت کا عالم ہوگا اس لیے دور اوّل کی طرح مسجد کی ذمہ داریاں بھی اعلیٰ مقام والوں کو سنبھالنا ہوں گی۔ مسجد کے ذمہ دار امام وخطیب کو فی الواقع مرجع خلائق بن کر معاشرہ کی اصلاح اور قیادت کرنا ہوگی۔

اس موقع پر دارالاسلام جوہر آباد کی اقامتی درسگاہ میں جو تجربہ کیا گیا ہے اس کی قدرے تفصیل بیان کرنا بے محل نہ ہوگا۔ اس درسگاہ میں جماعت چہارم میں بچہ داخل کیا جاتا ہے۔ چہارم اور پنجم میں رائج الوقت مضامین کے علاوہ قرآن چلڈرن سوسائٹی کی کتب قصص القرآن کے ذریعے انبیاء علیہم السلام کے واقعات پڑھائے جاتے ہیں۔ انگریزی اور ریاضی کے ساتھ اردو زبان پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔ افضل حسین کی ''ہماری کتاب'' اردو کے دوتین حصے پڑھا دیے جاتے ہیں۔ املاء اور خوشخطی پر زور دیا جاتا ہے۔ اس اثناء میں طلبہ قرآن مجید کی صحت کے ساتھ تلاوت کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ کے اشعار پر مشتمل بیت بازی کا مقالہ کرایا جاتا ہے۔ ششم میں فارسی اور عربی کے نئے مضامین متعارف کرائے جاتے ہیں۔ عربی زبان کا آغاز مولانا مسعود عالم ندوی (شاگرد رشید مولانا عاصم الحداد) کی کتاب 'مبادی الترجمہ العربیہ' سے کیا جاتا ہے۔ جماعت ہفتم میں روزانہ صبح ایک گھنٹے کا اضافی پیریڈ ترجمۂ قرآن کا ہوتا ہے۔ اس کے دوران عربی کے پڑھے ہوئے قواعد کی مشق کرائی جاتی ہے۔

یہ سلسلہ ہشتم میں جاری رہتا ہے ہشتم کا محکمانہ امتحان ہوتا ہے اس لیے گورنمنٹ کے مقرر کردہ کورس عربی کے پیریڈ میں قرآن مجید کا قواعد کے ساتھ ترجمہ صبح کے ایک گھنٹے کے پیریڈ میں پڑھایا جاتا ہے۔

جب ہمارا طالب علم ہشتم کا امتحان دے کر فارغ ہوتا ہے تو اس کی عربی زبان کی اہلیت درس نظامی کے سال اولیٰ اور ثانیہ سے بہتر ہوتی ہے۔ کئی دینی مدارس کے اساتذہ نے اس کا اعتراف کیا ہے۔اسی لیے ہماری رائے ہے کہ اگر ہمارے طلبہ کی طرح ہشتم تک عربی زبان کی تدریس کا اہتمام کرلیا جائے تو درس نظامی کے برابر بلکہ اس سے بہتر قرآن وسنت کا کورس آئندہ چار سال میں یعنی ایف اے تک مکمل کرایا جاسکتا ہے۔

ہم ہشتم کا امتحان فارسی اختیاری کے ساتھ دلواتے ہیں۔ مڈل کے محکمانہ امتحان میں فارسی کی گنجائش موجود ہے اس سے ایک اضافی زبان کے علم کے ساتھ اردو سمجھنے کی استعداد کہیں بہتر ہوجاتی ہے۔

جب ہم اپنے تربیت یافتہ اساتذہ کے ذریعے مساجد سے ملحق مدارس میں پہلی سے تیسری تک اپنی نرسری تیار کرنے کے قابل ہوجائیں گے تو اپنی سکیم کے تحت اوّل تا ہشتم بہت اچھی استعداد پیدا کرلیں گے۔ یقینا ان طلبہ کی تعلیمی استعداد جامعہ دارالاسلام کے موجودہ میٹرک کے طلبہ سے کہیں بہتر ہوگی۔ اس طرح اس مرحلہ میں طلبہ دینی مدارس کے کامل کورس کے نصف تک پہنچ چکے ہوں گے، ان شاء اللہ۔

عملی تجربہ کے نتیجے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مجوزہ نظام تعلیم میں طلبہ میٹرک تک عربی قواعد کے ذریعے ترجمہ قرآن کی استعداد پیدا کرلیتے ہیں۔ ہم نے احتیاطاً ایف اے تک مکمل قرآن کا ترجمہ شامل کیا ہے۔ ہم ہر سال سکول کے مروجہ کورس کے ساتھ سیرت کی ایک کتاب پڑھاتے ہیں''ہمارے آقا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)''، ''محمد عربی''، ''حیات طیبہ'' اور ''دریتیم'' وغیرہ مڈل کے طلبہ پڑھ چکے ہوتے ہیں۔ مفتی کفایت اللہ صاحب کی تعلیم الاسلام اور مولانا یوسف اصلاحی کی فقہ اسلامی بھی پڑھ لیتے ہیں۔

یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی سے مڈل تک کے سلسلہ کو ذمہ داری کے ساتھ پورا کرلیا جائے تو یہ مستقبل کے جامع (قدیم وجدید کے موجودہ سسٹم کو ضم کرکے) نظام کی اچھی بنیاد بن سکتا ہے۔ سارے متعلقہ ادارے استقامت، محنت اور اخلاص کے ساتھ مربوط انداز میں کام کریں اور پوری قوم تعلیم وتعلم میں جُت جائے تو ہر فرد تلاوت قرآن سمیت خواندہ بھی ہوسکتا ہے اور ہر پڑھا لکھا آدمی قرآن وسنت کا اچھا خاصا عالم بھی ہوسکتا ہے۔ ہر مسجد قرآن وسنت کی تعلیم کا مرکز بن سکتی ہے اور پوری قوم کو سنبھالنے کا اہم فریضہ انجام دے سکتی ہے۔

ضرورت یکسوئی، عزم اور محنت کی ہے۔ ماضی میں بھی باہمت اور پُرعزم لوگوں نے اخلاص کے ساتھ ناممکن کو ممکن بنا کر دکھایا ہے۔

اساتذہ کی تربیت

۱۔ اساتذہ کی تربیت کا منصوبہ ہمارے پیشِ نظر ہے۔ ایسے اساتذہ جو جدید علوم کے ساتھ تجوید، عربی قواعد اور قرآن وسنت کا ضروری علم رکھتے ہوں، سیرت وکردار کے لحاظ سے بھی اسلامی تعلیمات اور اخلاق کا چلتے پھرتے نمونہ ہوں۔

۲۔ آغاز کار کے طور پر ضرورت ہے ہر استاد کی تربیت میں قرآن کی تجوید، عربی زبان کی تعلیم اور خطابت کی مہارت بھی شامل ہو اور قرآن وسنت کا واقعی عالم ہونا تو شرط اوّل ہے۔

۳۔ فی الحال ہر استاد کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے مقررہ مضمون کے ساتھ عربی زبان کے ذریعے اسلام کے بنیادی مآخذ سے استفادہ کی اہلیت پیدا کرے۔ اس طرح وہ دین ودنیا کی تعلیم کی موجودہ تفریق کو مٹا کر جامع شخصیت کا نمونہ ہوگا۔

مجوزہ نظامِ تعلیم کا اعلیٰ ثانوی تعلیم (ایف اے، ایف ایس سی) کا فارغ التحصیل مسجد کی خطابت اور مدرس ومعلم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے اہل بھی ہوگا۔

مجوزہ نظام تعلیم کے فارغ التحصیل افراد کی وافر تعداد کی تیاری تک تمام صاحبِ علم حضرات کو مسجد کی خطابت اور غیر رسمی استاد کی ذمہ داریاں رضا کارانہ طور پر اٹھانے کے لیے تیار رہنا چاہیے، ایسے اصحاب چاہے وزیر ہوں، جج ہوں یا اسمبلیوں کے ممبر۔

۴۔ معلم کی اہمیت: سورۃ رحمن کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تعلیم دے کر خود معلم ہونے کا اعلان فرمایا۔ حدیثِ جبریلؑ میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا وہ اجنبی یعنی جبرئیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ذکر کی محفل پر تعلیم کی مجلس کو ترجیح دے کر فرمایا کہ انما بعثت معلماً یعنی میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو معلم ہونا چاہیے خواہ وہ باقاعدہ معلم نہ بھی ہو تو پھر بھی اسے معلم کی ذمہ داریاں کسی نہ کسی درجہ میں ادا کرنی

البرہان آن لائن دستیاب ہے

http://www.safa.edu.pk/category/al-burhan/

چاہئیں۔ اپنے بچوں کو پڑھائے یا قوم کے بچوں کو۔ جو علم اسے حاصل ہے اسے آگے پڑھانے میں کبھی بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔

البرہان کے پچھلے شمارے میں ہم نے عرض کیا تھا کہ مسلم علماء و سکالرز نے جہاں بھی مغربی فکر وتہذیب کے ساتھ مفاہمتی پالیسی اپنائی ہے اور اس کے نتیجے میں مغربی اداروں میں اسلام کے نام پر معمولی کتر بیونت کر کے انہیں قبول کر کے اپنے ہاں مروج کیا ہے اس کے نتیجے میں مسلم معاشرے میں مغربی فکر وتہذیب ہی کا غلبہ ہوا ہے چنانچہ پچھلے شمارے میں ہم نے اسلامی جمہوریت کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ مغرب کی لادین جمہوریت میں اسلامی حوالے سے معمولی کمی بیشی کر کے ہمارے علماء و سکالرز نے جو اسے 'اسلامی جمہوریت' قرار دے کر قابل قبول قرار دے لیا اور اس پر عمل شروع کر دیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پاکستانی سیاست سیکولر ہوگئی ہے بلکہ سارے شعبہ ہائے زندگی میں سیکولرزم اور مغربی تہذیب غالب آگئی ہے۔

موجودہ مضمون میں ہم نے بتایا ہے کہ مغربی بنکنگ جو مغرب کے سود پر مبنی اور لادین سرمایہ دارانہ نظام کا ایک اہم حصہ ہے، اس میں اسلامی لحاظ سے معمولی کتر بیونت کر کے اسے 'اسلامی بنکنگ' قرار دیا جائے تو اس سے وہ سچ مچ اسلامی نہیں ہوجاتا اور نہ اس سے وہ مقاصد پورے ہوتے ہیں جو اسلام کے معاشی نظام کے ہیں بلکہ اس سے مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام ہی مسلم معاشرے میں پروان چڑھتا ہے لہٰذا اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حریت فکر اور اجتہادی سپرٹ سے کام لیتے ہوئے اسلامی تناظر میں نئے معاشی اور مالی ادارے قائم کریں اور مغرب کی تقلید سے باز آجائیں کہ اس کا نتیجہ دنیا میں بھی غربت و افلاس اور تنگی معیشت و معاشرت ہے جیسا کہ ہم سب کا مشاہدہ ہے اور آخرت میں بھی غیر اسلام کو قبول کرنے پر رسوائی اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ امین

مغربی تہذیب سے مفاہمت کے نتائج ڈاکٹر محمد امین

اسلام اور مغربی بنکنگ

اسلامی بنکاری کے حوالے سے ایک اصولی بحث

آج کل ملک کے دینی حلقوں میں مزعومہ 'اسلامی بنکاری' پر بحث جاری ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور اسلامی حوالے سے یہ بنکاری درست ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں سب سے پہلے تو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ 'اسلامی بنکاری' ہے کیا؟ کہ اس کے بعد ہی اس کی شرعی حیثیت کا تعین کیا جا سکے گا۔

مغرب کی تہذیب آج کل دنیا میں غالب ہے۔ مغرب کا معاشی نظام، جو بنیادی طور پر سود پر مبنی ہے، نظام سرمایہ داری (Capitalism) کہلاتا ہے۔ بجلی سے چلنے والی مشینوں کی ایجاد، وسیع پیمانے پر اشیاء تجارت کی پیداوار اور ذرائع حمل ونقل اور رابطوں کی تیز رفتاری نے مغرب میں صنعتکاری یا انڈسٹریلائیزیشن (Industrialization) کو جنم دیا اور تجارتی سرگرمیوں میں تیزی آئی تو لوگوں کی بچتوں کو ایک جگہ جمع کرنے، اس جمع شدہ رقم کو کاروبار میں لگانے کے لئے بطور قرض مہیا کرنے، خرید و فروخت میں بڑی رقوم کی ادائیگی کرنے، رقم کو ایک سے دوسری جگہ منتقل کرنے۔۔۔ جیسے کاموں کے لئے بنک وجود میں آئے جن کے یورپ میں بانی اور کرتا دھرتا یہودی تھے جو صدیوں سے اپنے سرمائے کو سود پر دینے کا کاروبار کر رہے تھے۔ انہوں نے ہی اپنے کام کو مزید وسعت دے کر بنک قائم کر لئے۔ بیسویں صدی کے وسط میں جب مغربی استعمار کو مسلم ممالک کو مجبوراً کچھ آزادی دینا پڑی اور آزاد(؟) مسلم ممالک وجود میں آئے تو مسلمانوں کا واسطہ اس بنکنگ کے نظام سے پڑا اور یہ دیکھ کر کہ یہ سارا نظام سود پر مبنی ہے اور اسلام مسلمانوں کو سود لینے دینے سے منع کرتا ہے، بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا یہ نظام سود کے بغیر نہیں چلایا جا سکتا؟ یوں 'اسلامی بنکنگ' کے بارے میں سوچ کی ابتداء ہوئی۔ برصغیر میں 'اسلامی معاشیات' کے حوالے سے جو ماہرین اور سکالرز سرگرم تھے (جیسے ہندوستان کے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، پاکستان کے پروفیسر خورشید احمد اور سعودی عرب میں مقیم پاکستانی سکالر عمر چھاپرا وغیرہ) انہوں نے اس تصور کی حمایت کی کہ موجودہ سودی بنکوں کے نظام میں اگر اسلامی حوالے سے کچھ تبدیلیاں کر دی جائیں تو یہ بنکنگ اسلامی اور جائز ہو جائے گی۔ بعض مسلمان عرب سرمایہ داروں نے اس پر عمل کی ٹھانی، پھر بوجوہ

مغرب نے اس منصوبے کی حمایت اور سرپرستی شروع کر دی نتیجتاً دھڑا دھڑ 'اسلامی بنک' کھلنے لگے بلکہ اب تو عام بنکوں نے بھی 'اسلامی کاؤنٹر' کھول کر اس کاروبار بلکہ 'کار خیر' میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔

علماء کرام کی اکثریت اس نظام کے سود پر مبنی ہونے کی وجہ سے اس کی مخالف تھی (اگرچہ بطور استثنیٰ کوئی اکادکا عالم بنکوں کے سود کو 'ربا' ماننے میں تردد کا اظہار کرتا تھا) لیکن پاکستان کے مشہور عالم دین اور دارالعلوم کراچی کے سربراہ مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے (جو اس سے پہلے پاکستان کی سپریم کورٹ میں جاگیرداری کو اسلام کے مطابق قرار دینے کا فیصلہ سنا کر شہرت حاصل کر چکے تھے، مذکورہ 'اسلامی بنکنگ' کو شرعی اور اسلامی قرار دے کر اس کی حمایت اور سرپرستی شروع کر دی۔ ان کے اس رویے پر علماء کرام میں دبے لفظوں میں چہ میگوئیاں ہوتی رہیں لیکن بالآخر اگست 2008ء میں ملک بھر کے سرکردہ (دیوبندی) علماء اور دینی مدارس کے مفتی صاحبان نے کراچی میں جمع ہو کر مشترکہ فتوے کے ذریعے بالاتفاق 'اسلامی بنکنگ' کے اس نظام کو غیر شرعی اور غیر اسلامی قرار دے دیا۔ (1) ان کے فتوے کی بنیاد یہ ہے کہ سودی نظام کی اساس پر قائم بنکوں نے اپنے نظام کو 'اسلامی' اور 'مطابق شریعت' بنانے کے لئے جو ذرائع (Tools) اور طریقے (Products) اختیار کئے ہیں، وہ اسلامی حوالے سے ناکافی اور غیر موثر ہیں لہٰذا ان بنکوں کا نظام اپنی اصل کے مطابق سودی ہی ہے لہٰذا غیر شرعی اور ناقابل قبول ہے۔ ہمیں اس فتویٰ سے سو فیصد اتفاق ہے اور ہم اس کی مکمل حمایت کرتے ہیں لیکن اس مضمون میں ہماری ترکیز اس نکتہ پر نہیں ہے بلکہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مزعومہ 'اسلامی بنکنگ' کی بنیادی فکر اور اپروچ ہی غلط ہے کیونکہ:

۱۔ اسلام اور مغربی تہذیب کی فکری بنیادیں ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ **لہٰذا**

۲۔ مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اپنے اہداف اور طریق کار میں اسلام کے معاشی نظام سے متصادم ہے۔ **اور**

۳۔ دو باہم متضاد عناصر میں چونکہ تلفیق ممکن نہیں اور نہ ہی انہیں ایک دوسرے میں مدغم کیا جا سکتا ہے لہٰذا مغرب کے ملحدانہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے کسی جزو میں اسلام کے معاشی نظام کے کسی ایک جزو کا پیوند نہیں لگ سکتا اور نہ اسے یہ پیوند لگا کر 'اسلامی' بنایا جا سکتا ہے۔

۴۔ یہودیوں کے سودی نظام کو حیلے بہانے سے غیر سودی اور اسلامی قرار دینا اجتہاد اور تجدید نہیں ایک نوع کا تجدد ہے لہٰذا ناقابل قبول ہے۔

۵۔ مزعومہ 'اسلامی بنکنگ' کا یہ نظام اس لئے کامیابی سے چل رہا ہے کہ مغرب (کے یہودی اور ان کے حواری حکمران) اس مزعومہ 'اسلامی بنکنگ' کی حمایت اور سرپرستی کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کی اربوں کھربوں کی دولت کا وہ حصہ، جو وہ بنکوں میں ان کے غیر اسلامی ہونے کی بناء پر نہیں رکھتے تھے، گردش میں آجائے اور دوسرے لفظوں میں ان کے تصرف میں آجائے۔

لہٰذا ان اسباب کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ 'اسلامی بنکنگ' کی بنیادی اپروچ ہی فکری اور نظری حوالے سے غلط اور خلاف اسلام ہے اور ناقابل قبول ہے۔اس مؤقف کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ اسلام اور مغربی تہذیب کے بنیادی افکار ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہیں

مغربی تہذیب جن افکار ونظریات پر کھڑی ہے ان میں سے اہم یہ ہیں:[2]

ہیومنزم (Humanism)

کائنات میں مرکزی حیثیت انسان کو حاصل ہے۔ وہ آزاد اور خودمختار ہے کہ زندگی کے بارے میں جو فیصلہ چاہے کرے اور یہ طے کرے کہ اسے زندگی کن اصولوں کے مطابق گزارنا ہے۔ وہ 'اللہ' جیسی کسی بالاتر ہستی کا 'عبد' نہیں ہے جس کے احکام کی اطاعت اس پر لازم ہو بلکہ وہ خودمختار اور مختار کل ہے اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی، حق و باطل، خیر و شر، جائز و ناجائز اور حلال وحرام کے بارے میں جو فیصلے چاہے کر سکتا ہے۔

سیکولرزم (Secularism)

بالفرض اگر کسی کو خدا کو ماننا بھی ہے تو وہ اپنی ذاتی زندگی میں، انفرادی حیثیت سے، اسے مان سکتا ہے لیکن اس خدکو انسانوں کے اجتماعی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ مطلب یہ کہ سول سوسائٹی اور ریاست کے معاشی، معاشرتی، قانونی، تعلیمی، سماجی۔۔۔ ڈھانچے اور نظام میں اللہ کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں بلکہ انسان آزاد ہے کہ ان معاملات میں اپنی مرضی اور اپنی عقل سے جو فیصلے چاہے کرے۔

کیپٹل ازم (Capitalism)

سرمایہ دارانہ نظام کا لب لباب یہ ہے کہ انسان کی ساری کوششوں کا محور دنیا اور اس کی دولت ہونی چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کا حاصل ہے حب دنیا اور حب مال۔ مطلب یہ کہ انسان کی ساری تگ ودو اس غرض سے ہونی چاہئے کہ اسے دنیا میں زیادہ سے زیادہ آسائشیں اور سہولتیں

ملیں۔اس کا مطمحِ زندگی یہ ہو کہ بنک بیلنس بڑھے، کار ہو، کوٹھی ہو اور معیار زندگی بلند سے بلندتر ہو۔ حب دنیا اور حب مال کی اس دوڑ کا لازمی نتیجہ ہے آخرت سے اغماض اور اس کی عدم اہمیت اور عدم ترجیح۔

ایمپریسزم (Empiricism)

ایمپریسزم کا مطلب یہ ہے کہ علم حقیقی کا منبع صرف عقل و حواس ہیں۔یعنی حق صرف وہ ہے جو عقلی معیار پر پورا اترے اور مشاہدے اور تجربے میں آ سکے۔ جو ان معیارات پر پورا نہ اترے وہ علم نہیں، اس کے حق اور حتمی طور پر صحیح ہونے کی کوئی گارنٹی نہیں بلکہ ایسے نظریات عموماً غیر سائینٹفک اور توہمات پر مبنی ہوتے ہیں۔

مغرب میں اس کے علاوہ بھی بہت سے ازم ہیں جیسے لبرلزم، یوٹیلیٹیرنزم (Utilitarianism)، ری ڈکشنزم (Reductionism) ۔۔۔ وغیرہ لیکن جن چار اہم تصورات کا ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے، اگر ہم صرف انہی کو سامنے رکھیں تو مغرب کا جو ورلڈ ویو (تصور انسان، تصور اِلٰہ اور تصور کائنات) سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے تصور انسان کی رو سے انسان خود اپنی مرضی کا مالک ہے، خود مختار ہے اور کسی کا عبد نہیں ہے۔ اس کا تصور اِلٰہ یہ ہے کہ کوئی بالاتر ہستی ایسی نہیں جس کی اطاعت اس پر لازم ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ اپنا خدا خود ہے (ہیومنزم)۔ اور اگر کوئی خدا ہے بھی تو اسے انسان کے اجتماعی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ گویا یہ انسانوں کی مرضی اور اختیار ہے کہ وہ خدا کے دائرہ کار کا تعین کریں (سیکولرزم)۔ کیپٹل ازم کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے اور ہماری ساری تگ و دو کا محور یہی زندگی ہونی چاہیے گویا عملاً آخرت کی نفی۔ اسی طرح ایمپریسنرم کا حاصل ہے وحی کی سیادت کا انکار اور عقل و حواس ہی کو منبع علم و حقائق سمجھنا۔

اس مختصر تجزیے سے واضح ہے کہ مغرب کا ورلڈ ویو اسلام کے ورلڈ ویو کے برعکس ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ انسان عبد ہے اور ایک اللہ ہی معبود اور مطاع ہے جب کہ ہیومنزم اور سیکولرزم کی رو سے اللہ کی بجائے خود انسان مختار کل اور مختار مطلق ہے، کیپٹل ازم کی رو سے دنیا ہی سب کچھ ہے جب کہ اسلام کی رو سے آخرت ہی سب کچھ ہے اور اسے دنیا پر ترجیح حاصل ہے۔ ایمپریسنرم کی رو سے صرف عقل و حواس ہی منبع علم ہیں جب کہ اسلام کی رو سے اللہ کی طرف سے آئی ہوئی وحی (قرآن حکیم) ہی حقیقی اور حتمی علم ہے۔

ان امور سے واضح ہے کہ مغرب کے وہ افکار و نظریات جن پر اس کی تہذیب کی عمارت کھڑی

ہے، صریحاً خلاف اسلام ہیں اور اسلامی عقائد سے متصادم ہیں۔ اسلام نام ہے اللہ کی غیر مشروط اطاعت کا اور مغرب کے مذکورہ بالا افکار کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی غیر مشروط اطاعت کا انکار۔ یہی کفر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا انکار اور انسان کا اپنی مرضی پر اصرار۔ گویا یہ کہنا محض ایک حقیقت کا اظہار ہے اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ مغرب کی فکری بنیادیں کفر و الحاد پر مبنی ہیں۔

۲۔مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اسلامی نظام معیشت سے متصادم ہے

اہل مغرب نے الٰہی ہدایت کا انکار کرتے ہوئے اور اپنی عقل و ہوائے نفس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنا اجتماعی نظام اور اجتماعی ادارے خود وضع کئے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہم سمجھتے ہیں کہ ان فاسد افکار و عقائد کی بنیاد پر اداروں اور تمدن کی جو عمارت کھڑی ہو گی وہ بھی لازماً فساد فی الارض پر منتج ہو گی۔ سطور ذیل میں ہم مغرب کے اختیار کردہ معاشی نظام کے اہم اصولوں کا ذکر کریں گے [3] اور یہ بتائیں گے کہ وہ اسلام کے پیش کردہ معاشی اصولوں کے بالکل متضاد ہیں:

ا۔معیشت کی بنیاد سرمایہ داری ہے

نظام معیشت میں بنیادی حیثیت سرمائے کو حاصل ہے۔ اس سے یہ اصول بھی مستنبط ہوا کہ محض سرمائے کے استعمال سے افزائش دولت جائز ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے سود کہا جاتا ہے یعنی محض پیسے سے مزید پیسے کمانا بغیر محنت کو شامل کئے۔ یہی چیز غریبوں کے استحصال کا سبب بنتی ہے اور ارتکاز دولت کو جنم دیتی ہے اور اس سے غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اس کے ردعمل میں کمیونزم کا نظام ابھرا جس نے سرمائے کی برتری کو رد کرتے ہوئے انسانی محنت کو معیشت میں بنیادی حیثیت دی اور دوسری انتہا تک چلا گیا۔ ان دونوں کے مقابلے میں اسلام نے اپنے نظام معیشت میں انسان اور اس کی اخلاقی اور روحانی زندگی کو بنیادی اہمیت دی اور سرمائے اور محنت دونوں کے لئے ایک متوازن کردار تجویز کیا۔ اس نے ایک طرف سود کی نفی کی تو دوسری طرف محنت کو بھی اس کا جائز مقام دیا۔[4] یوں اسلام نے ایک معتدل اور متوازن معاشی فکر دی اور مسلمانوں نے اپنے ایک ہزار سالہ دور اقتدار میں اپنے معاشی نظریے کو قابل عمل اور انسان کی معاشی ترقی میں اس کا ممد و معاون ہونا عملاً ثابت کر کے دکھا دیا۔

۲۔لامحدود حق ملکیت

نظام سرمایہ داری میں فرد کو لامحدود حق ملکیت حاصل ہے۔ یہ چیز بسا اوقات استحصال کا سبب بنتی ہے اور

معاشرے کے اجتماعی مفادات کو نقصان پہنچاتی ہے۔ مغرب میں کارپوریٹ ملکیت کے تصور نے اس کو مزید گھمبیر بنا دیا ہے۔ اس کے ردعمل میں کمیونزم نے فرد سے حق ملکیت کلی طور پر چھین لیا اور یہ حق ریاست کو دے کر فرد کو اس کا غلام بنا دیا۔ اسلام ان دونوں انتہاؤں کے مقابلے میں ایک معتدل اور متوازن راہ اختیار کرتا ہے۔ اس نے فرد کو حق ملکیت دیا لیکن کسب رزق پر اخلاقی پابندیاں عائد کر کے اسے لامحدود نہ رہنے دیا۔ اسی طرح اس نے اجتماعی مفاد کے مقابلے میں فرد کے حق ملکیت پر قدغن لگا دی اور دوسری طرف اس نے ریاست کی آمریت کے مقابلے میں فرد کی آزادی کی حمایت کی [5]۔

۳۔ کسبِ وسائل اور صَرفِ وسائل پر اخلاقی قیود کی نفی

مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام چونکہ نظام معیشت میں کسی منزل من اللہ دین کی سیادت کو نہیں مانتا لہٰذا وہ ان اخلاقی پابندیوں کو بھی رد کر دیتا ہے جو اللہ اور اس کا رسول عائد کرتے ہیں مثلاً حلال وحرام کی پابندی یا باطل طریقوں سے مال کمانے پر پابندی۔ چنانچہ مغرب میں جوئے کی آمدنی جائز ہے، اور ناچ گانے کی آمدنی اور شراب فروخت کر کے حاصل ہونے والی آمدنی بھی قانونی اور جائز ہے۔ اسی طرح مغرب کا معاشی نظام، صَرفِ وسائل پر بھی کوئی اخلاقی پابندی عائد نہیں کرتا مثلاً ایک شخص وہاں شادی کئے بغیر کسی گرل فرینڈ کے ساتھ عائلی زندگی گزار سکتا ہے اور اس پر لاکھوں روپے خرچ کر سکتا ہے اور ایسا کرنا جائز اور قانونی ہے۔ اسی طرح شراب نوشی، جوئے، زنا، لواطت وغیرہ پر خرچ کرنا جائز اور قانونی ہے۔ اسی طرح گورنمنٹ کا ٹیکس دینے کے بعد ہر طرح کا اسراف بھی جائز ہے۔

۴۔ حاصلات میں فرق

اسلام کے معاشی نظام میں فرد ایک پاکیزہ اور مطمئن زندگی گزار سکتا ہے۔ اسلام کی رو سے ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور انسان کو دنیا میں جو وسائل ملتے ہیں، وہ اللہ کی توفیق کا نتیجہ ہوتے ہیں نہ کہ اس کے زور بازو کا۔[6] لہٰذا انسان کی حیثیت ایک امین کی سی ہوتی ہے اور بحیثیت عبد کسبِ دولت اور صَرفِ دولت میں وہ اللہ کے احکام کی تعمیل کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ یعنی وہ صرف حلال اور پاکیزہ ذرائع سے مال کماتا ہے اور صرف ان مدات میں اسے خرچ کرتا ہے جن کی اسے اللہ اجازت دیتا ہے۔ اسلام انسان کو معاشی جدوجہد کے ساتھ قناعت اور توکل کا درس بھی دیتا ہے اور یوں اسے حرص، ہوس اور حسد سے بچاتا ہے۔ اسلام جنہیں وسائل رزق دیتا ہے انہیں اسے غریبوں، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور خیر کے دوسرے کاموں پر خرچ کرنے پر ابھارتا ہے۔ مال تجارت، زیورات، معادن، زراعت

اور لائیو سٹاک میں سے کچھ حصہ لازمی طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے (زکوٰۃ) [7] بلکہ آخرت میں اللہ کی خوشنودی اور غریبوں کی مدد کے لئے اپنی ضرورت سے زائد سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ [8] اسلام کی ان تعلیمات سے معاشرے میں انصاف اور عدل اجتماعی کا ماحول پیدا ہوتا ہے اور ایک جنت نظیر معاشرہ وجود میں آتا ہے جو حرص، ہوس، حسد، فراڈ، رشوت اور بددیانتی سے پاک ہوتا ہے، لوگ ایک دوسرے کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں، معاشرے میں اخوت اور بھائی چارہ بڑھتا ہے اور قناعت، توکل اور اطمینان قلب کی کیفیت میسر آتی ہے [9]۔

اس کے مقابلے میں مغرب میں چونکہ ہیومنزم اور سیکولرزم جیسے نظریات کی وجہ سے اللہ کی ذات وصفات کا صحیح تصور گہنا گیا ہے اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کی ترجیح کا تصور غالب آ گیا ہے لہٰذا دنیا اور دولت کی محبت وہاں بنیادی قدر کی حیثیت اختیار کر گئی ہے اور دین و اخلاق کا پہلو غالب نہ ہونے کی وجہ سے حرص، ہوس، حسد اور ہر قیمت پر اور جلد سے جلد امیر ہونے کی خواہش نے افراد کو دنیاوی امور میں مسابقت اور ہر قیمت پر معیارِ زندگی بلند کرنے کی دوڑ میں شامل کر دیا ہے اور اس بناء پر وہاں سے صبر، توکل، قناعت اور اطمینان قلب رخصت ہو گیا ہے اور انسان معاشی حیوان بن کر رہ گیا ہے جسے صرف اپنے معاشی مفاد سے غرض ہے۔ اس چیز نے وہاں ذہنی اضطراب اور ذہنی دباؤ کی شکل اختیار کر لی ہے، نفسیاتی امراض کی کثرت ہے اور لوگ زندگی سے منہ موڑ کر خودکشیاں کرنے لگے ہیں۔

اگرچہ مغرب میں معاشی جبر اور ظلم وستم کا وہ ماحول اب موجود نہیں رہا جو انیسویں صدی تک وہاں موجود تھا اور جس کے ردعمل میں کمیونزم جیسا انتہا پسندانہ معاشی نظام ابھرا لیکن سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں اب بھی اپنی جگہ موجود ہیں جن کی وجہ سے مغرب کے چند صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک میں سرمائے کا ارتکاز ہو گیا ہے اور دوسری قومیں وسائل سے محروم ہیں اور بجا طور پر یہ سمجھتی ہیں کہ ان ترقی یافتہ ممالک کی خوشحالی نتیجہ ہے ماضی میں ان کے معاشی وسائل کے استحصال کا اس عدم مساوات نے کشمکش اور احتجاج کو جنم دیا ہے اور G-8 اور G-20 کا اجلاس جہاں بھی ہوتا ہے خود مغرب کے فہیم عناصر اس کی مخالفت اور مزاحمت کرتے ہیں۔ یوں مغرب کے سرمایہ دارانہ معاشی نظام کی ناانصافی اظہر من الشمس ہے اور افراد کے اخلاق و کردار پر اس نے جو تباہ کن اثرات ثبت کئے ہیں وہ اس پر مستزاد ہیں اور پوسٹ ماڈرنسٹ فلاسفر اور ماہرین معیشت اس پر سخت تنقیدیں کر رہے ہیں [10]۔

اس مختصر تجزیے اور تقابلی مطالعے سے واضح ہے کہ مغرب کا معاشی نظام اپنے اصولوں اور نتائج کی رو سے اسلام کے معاشی نظام سے متصادم اور متضاد ہے۔

۳۔مغرب کے معاشی نظام میں اسلام کا پیوند نہیں لگ سکتا

جب یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام اور مغربی تہذیب کا ورلڈ ویو ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہے اور ان باہم متضاد اصولوں کی وجہ سے جو اجتماعی ادارے وجود میں آتے ہیں، خصوصاً معاشی نظام، وہ بھی اپنے مقاصد اور طریق کار کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں تو اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ان میں نہ تو تلفیق ممکن ہے اور نہ ان دونوں کو ایک دوسرے میں ضم کیا جا سکتا ہے۔ یہ دو الگ جسم ہیں جن کی کیمسٹری ایک دوسرے سے الگ ہے لہٰذا ان میں باہم انسجام و انضمام ممکن ہی نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دو افراد کا بلڈ گروپ اگر ایک نہ ہو تو ایک کا گردہ دوسرے کو نہیں لگ سکتا۔ بلکہ آپریشن کر کے اگر ایک کا گردہ دوسرے کے جسم میں لگا بھی دیا جائے تو دوسرے فرد کا جسم اسے قبول نہیں کرتا اور وہ گردہ صحیح کام نہیں کرتا کیونکہ دونوں کا بلڈ گروپ مختلف ہوتا ہے۔

بعینہ مغرب کا ایک معاشی نظام ہے جو ایسے اصولوں پر قائم ہے جو اپنی کنہ میں غیر اسلامی اور خلاف اسلام ہیں لہٰذا اس معاشی نظام کے ایک جزو یعنی بنکنگ میں، جو سود اور سرمایہ دارانہ نظام کے دیگر (غلط) اصولوں کے تحت کام کر رہا ہے، اس میں سرمایہ دارانہ نظام کے مخالف و متضاد کسی اسلامی اصول کا پیوند کیسے لگایا جا سکتا ہے؟ اور اگر لگا بھی دیا جائے تو وہ صحیح کام کیسے کر سکتا ہے اور اچھے نتائج کیسے دے سکتا ہے؟ یہ چیز عقلاً محال ہے اور منطقی طور پر نا قابل فہم ہے جیسے کہ بلڈ گروپ کے اختلاف اور انتقال گردہ کی مذکورہ بالا مثال سے واضح ہے۔ اسلام کا معاشی نظام اور مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام دو مختلف پیراڈائم ہیں لہٰذا ایک پیراڈائم کی ایک چیز لے کر دوسرے پیراڈائم کے کسی خانے میں کیسے فِٹ کی جا سکتی ہے؟ اور اگر کوئی ایسا کرے بھی تو اس طرح کا نظام قابل عمل کیسے ہو سکتا ہے اور اچھے نتائج کیسے دے سکتا ہے؟ خلاصہ یہ کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے تحت قائم کردہ بنکنگ کے نظام کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جا ہی نہیں سکتا۔ یہ اجتماع ضدین ہے لہٰذا عقلاً محال اور منطقی طور پر نا قابل عمل ہے۔

۴۔یہ اجتہاد نہیں تجدد ہے اور نا قابل قبول ہے

اسلام میں اجتہاد کا تصور کیا ہے اور کیا بنکوں کے نظام کو اسلام کے مطابق بنانے کی کوشش کرنا اجتہادی عمل ہے؟ اسلام میں اجتہاد کا تصور یہ ہے کہ نصوص چونکہ محدود ہیں اور انسانی مسائل و

مشکلات لامحدود ہیں لہٰذا اگر کسی معاملے میں نصوص میں واضح شرعی حکم موجود نہ ہو تو نصوص کی روشنی میں، ان پر قیاس کرتے ہوئے اور ان کی روح اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اس معاملے میں حکم شرعی دریافت کرنے کی کوشش کی جائے۔(11) معاملات میں چونکہ شارع کا اسلوب یہ ہے، جو سراسر حکمت پر مبنی ہے، کہ اس نے ان کا تفصیلی ڈھانچہ فراہم نہیں کیا بلکہ پالیسی اصول دینے پر اکتفا کیا ہے لہٰذا پالیسی اصولوں کی حامل نصوص اور شریعت کے مقاصد عامہ کو سامنے رکھتے ہوئے معاملات سے متعلق اداروں کے تفصیلی ڈھانچے تیار کرنا بلاشبہ ایک اجتہادی کام ہے۔ چنانچہ معاشی نظام سے متعلق پالیسی اصولوں پر مبنی نصوص اور شریعت کے مقاصد عمومی کو سامنے رکھتے ہوئے تفصیلی معاشی نظام کی تشکیل بلاشبہ کار اجتہاد ہے اور امت کے جلیل القدر فقہاء اور مجتہدین یہ کام ماضی میں بھی کرتے رہے ہیں اور بلاشبہ آج بھی اس کی ضرورت ہے۔

لیکن جو لوگ اجتہاد کے اس عمل سے واقف ہیں (یعنی اہل علم وتفقہ) وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس اجتہاد کے لئے محض قرآن وسنت، عربی زبان اور اسلام کے معاشی امور میں مہارت کافی نہیں بلکہ جن امور میں اور جن حالات میں اجتہاد کرنا ہو ان سے گہری واقفیت بھی ضروری ہے۔ بلکہ کوئی مجتہد اس وقت تک اجتہاد کا حق ادا کر ہی نہیں سکتا جب تک وہ ان حالات کا گہرا ادراک نہ رکھتا ہو جن میں اسے اجتہاد کرنا ہے۔ اس لئے اصول فقہ میں مجتہد کی شرائط اور اہلیت کے حوالے سے یہ ایک مسلمہ اور متفقہ اصول ہے کہ مجتہد حالات حاضرہ سے اور جس معاملے میں وہ اجتہاد کرنے جا رہا ہے اس کے متعلق حالات وعصری کوائف سے بخوبی واقف ہو۔(12)

لہٰذا اگر کوئی عالم دین آج اسلام کے معاشی نظام کی فروعات اور اس کی عصری تطبیقات پر اجتہادی نقطۂ نظر سے کام کرنا چاہتا ہے تو وہ یہ کام اس وقت تک صحیح رخ میں نہیں کر سکتا جب تک وہ عصری حوالے سے مندرجہ ذیل حقائق سے باخبر نہ ہو:

۱۔ مسلمان اس وقت زوال پذیر ہیں اور ان کی تہذیب مغلوب ہو چکی ہے۔

۲۔ اہل مغرب کی ایک ایسی تہذیب اس وقت دنیا میں غالب ہے جس کی بنیادیں کفر والحاد پر کھڑی ہیں اور ان ملحدانہ بنیادوں پر انہوں نے جو معاشی نظام تشکیل دیا ہے وہ بھی غیر اسلامی اور خلاف اسلام اصولوں پر مبنی ہے جیسے سود، قمار، استحصال، باطل طریقوں سے مال کمانا اور ناجائز مدات میں خرچ کرنا وغیرہ۔

۳۔ اہل مغرب یہود و نصاریٰ ہیں اور قرآن و سنت کی واضح نصوص موجود ہیں کہ وہ اسلام اور مسلمان دشمن ہیں اور ان کے بدخواہ ہیں۔ (13)

۴۔ ہر وہ مسلمان، جس کی عقل سلامت ہے اور جو بصارت و بصیرت سے محروم نہیں ہے، یہ دیکھ سکتا ہے کہ مغربی تہذیب کی علمبردار اقوام اور ممالک اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ انہوں نے روبہ زوال (اسلام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے) مسلم قوم کے خلاف سازشیں کیں، انہیں گرایا، ان کے علاقوں پر قبضہ کیا، ان کو غلام بنایا، ان کے معاشی وسائل لوٹے، ان کے اجتماعی ادارے تباہ کئے اور ان کی جگہ اپنی فکر و تہذیب کے مطابق اجتماعی ادارے از سر نو تشکیل دیئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی بھرپور جدوجہد کی اور اس میں ناکامی پر انہوں نے مسلمانوں کے نظام تعلیم و تربیت کو بدل ڈالا تاکہ وہ مسلمانوں کے دل و دماغ فتح کر سکیں، انہیں اسلام سے دور کر سکیں اور اسلام کی بجائے اپنی فکر اور تہذیب کا شائق بنا سکیں تاکہ مسلمان ہمیشہ ان کے غلام رہیں اور برائے نام مسلمان رہیں۔

اُن کے اِن تمام اسلام اور مسلم کش اقدامات کے باوجود امت مسلمہ نے غیرت و حمیت کا ثبوت دیا اور ان کی مزاحمت جاری رکھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو آپس میں لڑا کر (پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں) کمزور کیا اور یہ استعماری گروہ مسلمان ممالک کو کچھ آزادی دینے پر مجبور ہوئے لیکن ان کے خبث باطن کا سلسلہ جاری رہا۔ انہوں نے نوزائدہ مسلم ممالک میں اقتدار ان سیاستدانوں کو منتقل کیا جو اس کی فکر و تہذیب کے رسیا تھے اور اس کے اداروں کے تربیت یافتہ تھے۔ پھر انہیں مسلمان ملکوں کے اسلامی عناصر سے لڑایا، عوام سے انہیں دور رکھا اور انہیں اپنا گماشتہ بنا کر اپنی اسلام مخالف پالیسیاں مسلمان ممالک میں جاری اور نافذ کروائیں۔ انہوں نے ان حکمرانوں کو اسلام کے مطابق اجتماعی ادارے تشکیل نہ کرنے دیے بلکہ ہر قسم کا دباؤ ڈال کر مجبور کیا کہ وہ دور غلامی کے مغربی تہذیب کے مطابق بنے ہوئے اجتماعی اداروں کا تسلسل باقی رکھیں اور انہیں ہی چلنے دیں خصوصاً انہوں نے نظام تعلیم و تربیت کو اسلامی تقاضوں کے مطابق نہ بدلنے دیا تاکہ صحیح نقطۂ نظر اور کردار کے حامل مسلمان پیدا ہی نہ ہو سکیں۔ اسی منہج پر چلتے ہوئے مغربی قوتوں نے مسلم ممالک میں اسلامی تقاضوں کے مطابق معاشی نظام نہ بننے دیا تاکہ مسلمان معاشرے اقتصادی لحاظ سے مضبوط نہ ہو سکیں چنانچہ انہوں نے سودی بنک کھلے رکھے، قمار کی معیشت جاری رکھی، ''ترقی'' کے نام پر انہوں نے ان گماشتہ حکمرانوں کو سودی قرضوں کی ترغیب دی، انہیں اللے تللے کر کے ان رقوم کو برباد کرنے

دیا اور یوں مسلم ممالک کو سودی قرضوں میں جکڑ کر انہیں معاشی طور پر تباہ و برباد کر دیا۔ اور آج امت محمدیہ کی اکثریت بھوک اور افلاس کے عذاب میں مبتلا ہے۔

اہل مغرب کی ان ساری کوششوں کے باوجود مسلمان قوم مکمل طور پر ان کے قبضے میں نہ آئی جس کے دو بڑے مظہر ہیں:

ایک تو یہ کہ مغرب کی ان ساری سازشوں کے علی الرغم پاکستان نے ایٹم بم بنا لیا، ملائیشیا معاشی طور پر مضبوط ہو گیا، عراق عسکری طور پر مستحکم ہو گیا، ایران اور افغانستان میں اسلامی عناصر برسراقتدار آ گئے۔۔۔ چنانچہ مغرب اور اس کا سرخیل امریکہ اس صورت حال کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے نئی صلیبی جنگوں کا آغاز کر دیا۔ پہلے عراق کو تباہ و برباد کیا، اس کے بعد (پاکستان میں اپنی مرضی کی گماشتہ فوجی حکومت بنوا کر اور اس کی مدد سے) افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، لیبیا کو برباد کیا اور اب وہ پاکستان پر حملے کر رہا ہے اور ایران کی باری آیا چاہتی ہے۔

دوسرے مغرب اور ان کے مقامی آلہ کار حکمرانوں کی سازشوں کی وجہ سے بیشتر مسلم ممالک میں اسلامی عناصر برسر اقتدار تو نہ آ سکے تاہم انہوں نے منظم ہو کر (سیاسی جماعتیں اور ادارے بنا کر) حکمرانوں پر دباؤ جاری رکھا کہ وہ مسلم ریاست کا نظام اسلامی اصولوں کے مطابق چلائیں خصوصاً معاشی نظام کو سود سے پاک کریں، زکوٰۃ و عشر کے لئے ادارے بنائیں، تقسیم دولت کا نظام درست کریں، خود انحصاری کی طرف آئیں اور اسلامی معیشت کے دوسرے اصولوں کو نافذ کریں۔ اسلامی عناصر کے دباؤ پر مسلمان حکمران مجبور ہو کر بعض اوقات تھوڑی بہت اور برائے نام سرگرمی ان معاملات میں دکھاتے ہیں لیکن چونکہ ان میں سے اکثریت کی نیت ٹھیک نہیں ہوتی (اور وہ اسلام کے معاشی نظام پر عمل کرنے میں مخلص نہیں ہوتے بلکہ مغربی تہذیب سے مرعوب ہونے کی وجہ سے یہی سمجھتے ہیں کہ ترقی کا مغربی ماڈل ہی درست اور قابل عمل ہے) اور نہ مغربی آقا انہیں کسی سنجیدہ اسلامی تبدیلی کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ وہ معمولی، سطحی اور برائے نام قسم کے اقدامات کرتے ہیں جس سے نام تو اسلام کا آ جائے اور بھولے بھالے عوام اور مذہبی لوگ خوش ہو جائیں کہ اسلام نافذ ہو گیا ہے لیکن عملاً سنجیدہ اور موثر اقدامات نہیں کئے جاتے۔ پاکستان ہی کی مثال لیجئے کہ بنکوں کے سودی کھاتوں کو 'نفع نقصان کھاتوں' کا نام دے دیا گیا۔ اجارہ اور مضاربہ جیسی اسلامی اصطلاحات استعمال کی جانے لگیں اور تسمیات کے ساتھ ظاہری ڈھانچے میں معمولی تبدیلی کر دی گئی لیکن سودی

نظام اپنے تفصیلی ڈھانچے، مقاصد اور طریق کار کے ساتھ، جیسا کہ اہل مغرب نے اسے اپنے نظریات کے مطابق بنایا تھا، اصلاً باقی رہا جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ بنک جو اپنے آپ کو 'اسلامی' کہتے ہیں وہ اس شرح سود سے جو عام سودی کمرشل بنک دیتے ہیں، بہت زیادہ نیچے یا اوپر نہیں جاتے بلکہ اسی شرح سود کے قریب رہتے ہیں اور معمولی کمی بیشی کے ساتھ ان کا طریق کار وہی ہے جو کمرشل سودی بنکوں کا ہے، جیسا کہ علماء کرام نے اپنے متفقہ فتویٰ میں کہا ہے۔

اس وضاحت کے بعد اب سوال یہ ہے کہ کیا مغرب کے ہیومنزم، سیکولرزم اور کیپٹل ازم جیسے نظریات (جن کا خلاف اسلام ہونا اوپر بدلائل ثابت کیا جا چکا ہے) پر مبنی سودی اور ملحدانہ معاشی نظام کے پورے ڈھانچے کو علی حالہ باقی رکھتے ہوئے اس کے ایک جزو (بنکنگ) میں تسمیات کو تبدیل کرنے اور بعض سطحی قسم کی، برائے نام اور غیر موثر جزوی وفروعی تبدیلیوں کے ساتھ اسے 'اسلامی' بنانے کا عمل 'اجتہاد' کہلا سکتا ہے؟ اگر کوئی اسے اجتہاد سمجھتا ہے تو اسے یہ حق ہے کہ وہ ایسا سمجھے لیکن جس پس منظر کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اس میں ہماری طالب علمانہ رائے میں اس کے ڈانڈے تجدد سے جا ملتے ہیں۔

اگر کوئی مسلمان حاکم آج علماء و سکالرز اور ماہرین سے کہے کہ وہ ملک میں اسلام کا معاشی نظام نافذ کرنا چاہتا ہے، وہ اسے ایک مکمل تفصیلی ڈھانچہ بنا کر دیں تو یہ بلاشبہ اجتہاد ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلم حکمران یہ کہے کہ موجودہ معاشی نظام غیر اسلامی ہے، اس سارے کو بدل کر اسلام کے مطابق کر دو تو یہ بھی اجتہاد ہے۔ یا اگر کوئی مسلمان عالم یا سکالر اپنے طور پر یا کچھ لوگ باہم مل کر اسلام کے معاشی نظام کا ایک تفصیلی ڈھانچہ تجویز کرتے ہیں (خواہ کوئی حاکم اس پر عمل کرے یا نہ کرے) تو بلاشبہ یہ بھی اجتہادی کاوش ہے۔ لیکن اسلام اور مسلم دشمنوں کے بنائے ہوئے اور کفر و الحاد پر مبنی ایک مکمل معاشی نظام کو ایک مسلمان ملک میں نافذ اور جاری رکھنے کو تسلیم کرنا اور اس کے ایک جزو کا محض نام تبدیل کر کے اور اس میں چند سطحی، غیر موثر اور معمولی برائے نام ظاہری تبدیلیاں کر کے، (جن سے نہ اس کا مزاج بدلے اور نہ مقاصد اور طریق کار) اسے اسلامی قرار دینا، یہ اجتہاد کہلانے کا حق دار نہیں۔ اجتہاد کی تعریف اور توضیح اوپر گزر چکی۔ تجدد یہ ہے کہ کوئی چیز واضح طور پر غیر اسلامی ہو اور اسے بتکلف اسلامی بنانے کی کوشش کی جائے۔ مغرب کا ہیومنزم، سیکولرزم اور کیپٹل ازم واضح طور پر غیر اسلامی ہیں، انہیں ان کے فریم ورک (مقاصد، ڈھانچے اور طریق کار) میں باقی رکھتے ہوئے ان کے کسی ایک جزو کو محض نام تبدیل کر کے اور معمولی لیپا پوتی سے اسے اسلام کا لباس

پہنانا اور اسے اسلام کے مطابق قرار دینا یہ اجتہاد نہیں تجدد ہے ۔ یہ مغربیت کو تبدیل کر کے اسے مطابق اسلام بنانا نہیں بلکہ مغربیت کو اسلام کا لباس پہنانا اور اسلام کو مغربیت کے مطابق ڈھالنا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ تجدد کو رد کرنا شرعی تقاضا ہے کیونکہ یہ احداث فی الدین اور بدعت کی مثل ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''من احدث فی امرنا ھذا فھورد''(14) (جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالی وہ نا قابل قبول ہے) اور یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا فرمان ہے کہ ''کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالہ''(15) (دین میں ہر نیا اضافہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے) اور ''کل ضلالۃ فی النار''(16) (اور ہر گمراہی کا نتیجہ دوزخ ہے) لہٰذا وہ لوگ جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں وہ احداث فی الدین اور بدعت سے پرہیز کرتے ہیں اور تجدد کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔

۵۔'اسلامی بنکنگ' کا نظام کیوں کامیاب ہے؟

ممکن ہے بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ اگر 'اسلامی بنکنگ' غیر اسلامی ہے، غلط ہے اور اگر مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام اور اسلامی نظام کا یہ ملاپ انمل، بے جوڑ ہے تو پھر یہ تجربہ کامیاب کیوں جا رہا ہے؟ فلاپ کیوں نہیں ہو گیا؟ اس حوالے سے یہ ذہن میں رہے کہ اسلام اور مغرب میں تلفیق و مصالحت کے علمبردار بعض مسلم معاشی ماہرین نے جب موجوہ بنکنگ کے نظام کے اسلامی نظام بن سکنے کے حق میں فتویٰ دے دیا تو اس کا عملی آغاز سعودی عرب کے حکمران خاندان کے ایک فرد نے کیا (سعودی عرب کی اسلامی اور مقدس حیثیت اپنی جگہ،لیکن یہ بات معروف ہے اور سب جانتے ہیں کہ سعودی حکومت شروع سے لے کر آج تک مغرب کے زیر اثر رہی ہے) یہ تجربہ کامیاب رہا اور اب دھڑا دھڑ 'اسلامی بنک' کھل رہے ہیں اور کامیاب کاروبار کر رہے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ بنک سچ مچ اسلامی ہوتے اور مغرب کے سودی اور سرمایہ دارانہ نظام کو چیلنج کرنے والے ہوتے یا اس کا بہتر متبادل بن سکنے کی صلاحیت کے حامل ہوتے تو طاقتور مغرب ان کو ایک لمحہ نہ برداشت کرتا اور ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا۔ اس کے برعکس وہ ان کی حوصلہ افزائی اور پشت پناہی کرتا ہے۔ ہم جب 1990ء میں امریکہ گئے تو واشنگٹن میں یہ سن کر حیران ہوئے تھے کہ ورلڈ بنک میں 'اسلامی بنکنگ' پر ایک تحقیقی سیل کام کر رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امیر مسلمان ملکوں اور حکمرانوں کا سارا سرمایہ مغرب (امریکہ و یورپ) کے بنکوں میں پڑا تھا اور ساری دنیا جانتی ہے کہ

مغرب کا بنکنگ کا نظام یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ یوں مسلمانوں کے سرمایہ کا بڑا حصہ تو پہلے سے یہودیوں کے قبضے میں تھا اور وہ اسے حسب منشا اور حسب پلاننگ اپنے مخصوص مقاصد (جلب اقتدار، افزائش اثر و رسوخ اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور جنگ) کے لئے استعمال کر رہے تھے (اس سے بڑھ کر مسلمانوں کی بے حمیتی اور بے عقلی کیا ہوسکتی ہے؟) لیکن مسلمانوں کے متوسط طبقے کے افراد کی بچتیں ان کی پہنچ سے باہر تھیں (دنیا کے دیگر حصوں میں تو عوام کی بچتیں ان کے بنکوں میں آ ہی رہی تھیں۔ قربان جایئے صیہونیوں کی اس فطانت پر کہ ان کے وضع کردہ بنکنگ کے نظام کے ذریعے ساری دنیا کے عوام کی بچتیں اور سرمایہ ان کی جیب میں چلا آتا ہے جسے وہ حسب منشا استعمال کرتے ہیں) کیونکہ وہ یہودیوں کے قائم کردہ کمرشل بنکوں کو سودی کہہ کر رد کر دیتے تھے اور اپنی بچتیں گھر میں رکھتے تھے یا اس سے معمولی تجارت کرتے تھے لیکن سودی بنکنگ میں ملوث نہیں ہوتے تھے۔ لہٰذا صیہونی منصوبہ سازوں نے نام نہاد اسلامی بنکوں کا ڈول ڈالا تا کہ مسلمانوں کا یہ اربوں کھربوں کا سرمایہ بنکوں میں آجائے اور بالفظ دیگر ان کے پاس آجائے کیونکہ دنیا کا سارا بنکنگ نظام (بشمول ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف) تو ان کا اپنا وضع کردہ ہے اور ان کے کنٹرول میں ہے۔ چنانچہ ان کی یہ حکمت عملی کامیاب رہی اور سادہ لوح اور مغرب سے مرعوب مسلمان دانشور، ماہرین معیشت، سرمایہ کار و بنکار اس جال میں پھنس گئے اور صیہونیوں کی منصوبہ بندی کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ آج کل اس 'اسلامی بنکاری' کے ذریعے متوسط طبقے کے مسلمانوں کا وہ سرمایہ بھی کافی حد تک گردش میں آ گیا ہے جو پہلے بنکوں کی گرفت سے باہر تھا۔ مطلب یہ کہ ان نام نہاد اسلامی بنکوں کی کامیابی کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کا بنکوں کا نظام اور اس کے پیچھے بیٹھا یہودی ساہوکار یہ چاہتا ہے کہ یہ نظام کامیاب ہو اور مسلمانوں کے متوسط طبقے کی بچتوں اور کاروبار کا سارا سرمایہ ان کی تجوری میں آتا رہے جو کہ اب آنا شروع ہو گیا ہے لہٰذا یہ نام نہاد اسلامی بنک کامیاب جا رہے ہیں۔ اگر یہ بنک سچ مچ اسلامی ہوتے اور مغرب کے سودی معاشی نظام کے لئے چیلنج ہوتے تو مغرب انہیں لمحوں میں فیل کر دیتا اور ان کا سارا کاروبار ٹھپ ہو جاتا، لیکن چونکہ اس میں مغرب کے بنکنگ نظام کا اور ان کے پیچھے بیٹھے یہودیوں کا فائدہ ہے لہٰذا وہ اسلامی بنکوں کو ناکام نہیں ہونے دیتے بلکہ انہیں کامیاب بناتے ہیں تا کہ مسلمانوں کا بچا کھچا سرمایہ بھی اس طریقے سے ان کے پاس پہنچتا رہے۔ یہ ہے حقیقت 'اسلامی' بنکوں کی اور ان کی کامیابی کی۔

قارئین کرام! ہم نے موجودہ 'اسلامی بنکنگ' کی حقیقت اور شرعی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے جو

پانچ مقدمات قائم کئے تھے، ہم نے سطور بالا میں 'الحمد للہ' میں انہیں ثابت کر دیا ہے یعنی یہ کہ:

اولاً: مغربی تہذیب جن بنیادوں پر کھڑی ہے یعنی ہیومنزم اور سیکولرزم، وہ خلاف اسلام ہیں۔

ثانیاً: ان ملحدانہ فکری بنیادوں پر تشکیل پانے والا مغرب کا سرمایہ دارانہ معاشی نظام بھی خلاف اسلام ہے۔

ثالثاً: مغرب کے ملحدانہ سرمایہ دارانہ نظام کے کسی ایک جزو میں اسلام کا پیوند لگا کر اسے اسلامی نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ یہ دو متضاد پیراڈائم سے تعلق رکھتے ہیں۔

رابعاً: یہ کہ مغرب کے ملحدانہ سرمایہ دارانہ نظام کے کسی ایک جزو میں تسمیات کی تبدیلی یا معمولی، غیر موثر، برائے نام اور سطحی تبدیلی سے اسے 'اسلامی' بنانے کا عمل اجتہاد نہیں ہے اور احداث فی الدین اور بدعت ہونے کی وجہ سے قابل رد ہے۔

خامساً: یہ نظام اس لئے کامیاب جا رہا ہے کہ یہودی اور اہل مغرب اپنے مالی مفاد کے لئے اسے کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں۔

اس وضاحت کے بعد اس 'اسلامی بنکنگ' کی شرعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ محض کفر کی ملمع کاری کر کے اسے مطابق اسلام ثابت کرنے کی مصنوعی اور بھونڈی کوشش ہے اور یہ آب حیات نہیں محض سراب ہے۔

پس چہ بائد کرد

ممکن ہے کسی قاری کے ذہن میں یہ سوال اب بھی باقی ہو کہ اگر موجودہ کمرشل سودی بنکوں کا نظام غیر اسلامی ہے تو اسے اسلامی کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسے اسلامی نہیں بنایا جا سکتا لہٰذا اسے اسلامی بنانے کی کوشش ہی فضول ہے۔

جیسا کہ ہم نے تفصیل سے ذکر کیا کہ مغربی تہذیب کی فکری بنیادیں اسلام سے مختلف ہیں لہٰذا ان کا معاشی نظام بھی اسلام سے مختلف ہے۔ وہ ایک الگ دنیا ہے، الگ نظام ہے، اسے چھوڑ یئے۔ ہماری اپنی ایک فکر ہے، اپنی ایک تہذیب ہے، ہمارا اپنا ایک معاشی نظام ہے، ہمیں اپنی فکر اور اپنی ضرورت کے مطابق اپنے ادارے خود بنانے چاہئیں۔ اجتہاد سے کام لینا چاہئے، تحقیق کرنی چاہئے مغرب کو بھول جایئے، اسے رد کر دیجئے، اس کی نقالی چھوڑ یئے۔ اپنی عقل استعمال کیجئے۔

ہم نے ایک ہزار سال تک دنیا پر حکومت کی ہے تو میرٹ پر کی ہے۔ زمانہ بڑی سخت کسوٹی ہے یہ کھوٹا سکہ چلنے نہیں دیتا۔ ہمارا معاشی نظام کل اگر اپنے عہد کی معاشی ضروریات پوری کرتا تھا تو آج

کیوں نہیں کر سکتا؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ ماضی کے معاشی نظام کو بعینہ آج نافذ کر دیا جائے۔ وہ یقینا آج نہیں چل سکے گا کیونکہ حالات بدل گئے ہیں۔لیکن اگر ہم اپنی عقل استعمال کریں، اجتہاد کریں، تحقیق کریں تو جس طرح ہم نے ماضی کے تقاضوں کے مطابق ایک تفصیلی معاشی ڈھانچہ تشکیل دیا تھا اور وہ قابل عمل ثابت ہوا اور زمانے کی ضروریات کو پورا کیا۔ اسی طرح ہمیں چاہیئے کہ اپنی آج کی ضرورتوں کے مطابق آج ایک نیا ڈھانچہ تشکیل دیں، وہ بھی ان شاء اللہ کام کرے گا۔ البتہ اس کام کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے:

ایک: یہ کہ مغربی فکر وتہذیب کو شعوری طور پر رد کر دیا جائے، اس کی نقالی کی روش چھوڑ دی جائے اور اپنے تصورات اور اداروں کو مغربی فکرو کے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہ کی جائے۔

دوسرے: فکری حریت اور تخلیقی تحقیق (اور جنل ریسرچ) اپنے پیراڈائم کے اندر رہتے ہوئے۔ یہ لائحہ عمل علماء اور سکالرز کے لئے ہے۔ اگر وہ یہ کریں گے تو نئے تصورات ڈویلپ کرنے اور ان کے مطابق نئے ادارے تجویز کرنے میں وہ یقینا کامیاب ہو جائیں گے۔ جہاں تک اس پر عمل درآمد اور نئے اسلامی معاشی نظام کے قیام کا تعلق ہے تو اس کے لئے ایسے مسلم حکمرانوں کی ضرورت ہے جو مغرب کے ذہنی غلام نہ ہوں اور اسلامی نظام کے تحت زندگی بسر کرنے کا عزم صمیم رکھتے ہوں۔ یہ کام عوام، دعوت و اصلاح کا کام کرنے والے اداروں، تحریکوں اور دینی سیاسی جماعتوں کے کرنے کا ہے۔ہمیں تسلیم ہے کہ یہ دونوں کام آسان نہیں لیکن زندگی — بااصول اور باوقار زندگی — بچوں کا کھیل اور سہل کوشوں کا حلوہ کب ہوتی ہے؟ یہ تو شیر صفت مردوں ہی کا شیوہ ہوتی ہے جو اپنی محنت شاقہ سے پہاڑوں کا جگر چیر کر دودھ کی نہریں نکال سکتے ہوں اور امت کو اس وقت ایسے ہی مردان کار کی ضرورت ہے۔

تلخیص مباحث

ہمارے مؤقف کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کا اپنا ایک ورلڈ ویو اور تصور علم ہے جس کے مطابق اس نے مخصوص معاشی تعلیمات دی ہیں اور جن کی بنیاد پر مسلمان فقہاء، علماء اور ماہرین معیشت نے ایک مسلم معاشی نظام مدون کیا جو تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا میں عملاً نافذ اور غالب رہا۔ اب اِس وقت دنیا میں مغربی فکر وتہذیب کا غلبہ ہے جس کا اپنا ایک ورلڈ ویو اور تصور علم ہے اور اس کے نتیجے میں اس نے ایک معاشی نظام وضع کیا ہے جسے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کہا جاتا ہے۔ مغرب کا ورلڈ ویو اور تصور علم مسلم ورلڈ ویو سے مختلف اور متضاد ہے اور اللہ کی اتھارٹی اور آخرت کے انکار پر مبنی

ہے اور اس کے اصول و اقدار اور ظاہر و باطن اسلام کے خلاف ہیں۔ نیز اہل مغرب کی اسلام اور مسلم دشمنی بھی ایک نا قابل انکار حقیقت ہے جنہوں نے نہ صرف مسلمانوں کو قوت سے کچل کر غلام بنایا، ان کے علاقے فتح کیے بلکہ انہیں ہمیشہ کے لیے غلام رکھنے کے لیے ان کے نظام فکر و عمل اور ان کے تہذیبی اداروں کو توڑا اور ان کی جگہ مغربی فکر وتہذیب پر مبنی اداروں کو مسلم معاشرے میں قائم کیا۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے، جو نصف صدی پیشتر مغربی استعمار کی غلامی کی زنجیریں توڑنے میں کامیاب ہوئے اور اب زوال سے نکلنے اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہے ہیں، صحیح لائحہ عمل یہ ہے کہ وہ اپنے ورلڈ ویو اور اپنے تصور علم کی روشنی میں عصری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے آج اپنا معاشی نظام از سرنو تشکیل دیں نہ کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام میں تھوڑی بہت کتر بیونت کر کے اسے اپنانے کی کوشش کریں اور اسے اسلام کا معاشی نظام قرار دے لیں۔ یہ عملی طور پر بھی ممکن نہیں چونکہ یہ جمع بین الاضداد ہے جو محال ہے اور عملاً بھی مفید نہیں ہوسکتا کیونکہ مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام میں پیوند کاری اور درخ اندوزی (Patch work) سے مغربی فکر وتہذیب کا ملحدانہ رنگ اور مزاج ہی غالب رہے گا اور اسلام کے نام پر کی گئی پیوند کاری غیر مؤثر اور غیر مفید رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ممالک میں اس طرح کی پیوند کاری کے باوجود عملاً مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام ہی نافذ و غالب ہے اور اسی کی ملحدانہ اقدار مسلم معاشرے میں رائج و غالب ہیں اور اسلام اور اسلامی اقدار پسپا ہو رہی ہیں، معاشرے معاشی لحاظ سے پستی میں جارہے ہیں اور عالمی سطح پر عزت اور امن سے محروم ہیں اور مسلمان بھوک سے خودکشیاں کر رہے ہیں جب کہ نظام سرمایہ داری کی یہ حالت ہے کہ پہلے اس کی ناکامیوں نے کمیونزم کو جنم دیا اور اب وہ خود مغرب میں ناکام ہو رہا ہے اور لوگ وہاں

البرہان آن لائن دستیاب ہے

http://www.safa.edu.pk/category/al-burhan/

اس کے خلاف اٹھ رہے ہیں لہٰذا دینی حمیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم غیر اسلام کو چھوڑ کر اسلام کی طرف آئیں اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم مغرب کے ملحدانہ اور ناکام نظام کی پیروی کرنے اور

اس کے ساتھ مفاہمت کر کے تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد اسے اپنانے کی بجائے اسلام کی چشمۂ آب حیات کی طرف لوٹیں۔ آج مسلمان اہل علم کے سامنے چیلنج یہ ہے کہ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں عصری ضرورتوں کے تناظر میں اسلام کے معاشی نظام کا تفصیلی اور قابل عمل خاکہ وضع کریں اور مغربی بنکنگ کو اسلامائز کرنے کی بیکار کوششوں کی بجائے فکری استقلال سے کام لیتے ہوئے اسلام کی معاشی تعلیمات اور مقاصد کی روشنی میں نئے معاشی ادارے قائم کرنے پر زور دیں اور مسلمان حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے اپنے ہاں نافذ کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عمل کی توفیق سے نوازیں، آمین

حواشی و حوالہ جات

۱۔ روزنامہ 'جنگ' لاہور، 29 اگست 2009ء

۲. Kevin O' Donnell, *A History of Ideas,* Lion Publishing Plc, Oxford UK, 2003; Kenneth Long, *Philosophy - The Power of Ideas,* Mayfield Publishing Co. California, 1999

۳. James Fulucher, *Capitalism,* Oxford University Press Karachi, 2004

۴. M. Fahim Khan, *Essays in Islamic Economics,* Islamic Foundation

Leicester, UK

۵۔ مولانا محمد حافظ و مولانا سید محبوب الحسن، سرمایہ دارانہ نظام - ایک تنقیدی جائزہ، کراچی 2006ء

Don Peretz & Others, *Islam - Legacy of the Past, Challenge of the*

سکول میں بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کی کمی پوری کرنے کے لیے

قرآن و حدیث اور فقہ

پر مشتمل ایک نصابی کتاب

نرسری تا دوم ۴ کتب کی سیریز طبع ہو چکی ہے اور خریدی جا سکتی ہے۔ قیمت مکمل سیٹ ۳۴۰ روپے، علاوہ محصول ڈاک۔ سوم اور اس کے بعد کی کتب زیر طبع ہیں۔

تالیف: **محمد سلیم اختر**، پرنسپل پائینیر اسلامک پبلک سکول واہ کینٹ

اہم خصوصیات

☆ ان کتابوں میں بچوں کی عمر، استعداد اور ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے:

۔ قرآن حکیم کی مختصر سورتوں، آیات اور جملوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔

۔ ایسی مختصر احادیث منتخب کی گئی ہیں جن کا تعلق آداب، اخلاقیات اور عقائد سے ہے۔

۔ فقہ میں آدابِ زندگی، نماز، روزے اور بچے کی عمر کے اعتبار سے جو شرعی ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں، ان کا ذکر ہے۔

☆ یہ کتب مستند علماء کرام اور ماہرین تعلیم کے مشورے سے تیار کی گئی ہیں اور پہلے اپنے سکول میں ان کا عملی تجربہ کیا گیا ہے۔

☆ گھر میں والدین خود بھی اپنے بچوں کو پڑھا سکتے ہیں۔

آرڈرز اور مزید تفصیلات کے لیئے رابطہ کیجیے:

پائینیر اسلامک پبلک سکول
سی بی ۲۰۹ لالہ زار واہ کینٹ
فون: 0300-8500243

Future, North River Press, New York, 1984

۶۔ قرآن حکیم : سبا ۳۴:۳۹، القصص ۲۸:۷۷، ۷۔ النور ۲۴:۵۶، ۸۔ البقرہ ۲:۲۱۹

۹۔ بجا طور پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ ایسا اسلامی معاشی نظام ہے کہاں؟ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے (اور ہم خود ہی اس کے ذمہ دار ہیں) کہ اسلام کا مذکورہ بالا نظام معیشت اس وقت کسی اسلامی ملک میں مکمل طور پر نافذ نہیں ہے کہ ہم اسے بطور نمونہ اہل دنیا کو دکھا سکیں کہ یہ ہے اسلام کا معاشی نظام۔ لیکن چونکہ ماضی میں یہ ماڈل اپنی بہار دکھا چکا ہے اس لئے اسلامی نظام معیشت کے ماڈل کا قابل عمل اور نتیجہ خیز ہونا شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

۱۰۔ یہاں یہ سوال پیدا ہونا بالکل فطری ہے کہ اگر سرمایہ دارانہ نظام غیر فطری اور غیر عادلانہ بنیادوں پر قائم ہے تو آج وہ کامیاب کیوں ہے اور اسلام کا نظام عادلانہ اور فطری ہونے کے باوجود مسلمان مفلس ولاچار کیوں ہیں؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اہل مغرب کی معاشی حالت مسلمان ممالک کے مقابلے میں اس لئے بہتر ہے کہ اپنے نظریۂ حیات سے وابستگی کی وجہ سے ان میں محنت، اتحاد، منصوبہ بندی، پابندی قانون اور اسباب دنیا سے استفادے کی برتر صلاحیت موجود ہے جبکہ مسلمان اپنے نظریۂ حیات سے عدم وابستگی کی وجہ سے ان صلاحیتوں سے محروم ہیں اور دوسری باتوں میں پیچھے رہنے کے علاوہ معاشی طور پر بھی پسماندہ ہیں۔

۱۱۔ محمد بن علی الشوکانی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، صفحہ 350، دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۹ھ

۱۲۔ الدکتور عبدالکریم زیدان، الوجیز فی اصول الفقہ، صفحہ ۴۰۵، فاران اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۶ھ

۱۳۔ البقرہ ۲:۱۲۰، المائدہ ۵:۵۱

۱۴۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام الباطل

۱۵۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب تخفیف الصلوۃ والخطبہ

۱۶۔ سنن نسائی، کتاب صلوۃ العیدین، باب کیف الخطبہ

ہمارا دینی تناظر ڈاکٹر محمد امین

تبلیغی جماعت کی خدماتِ جلیلہ

اور چند مؤدبانہ گزارشات

آج کل افراط وتفریط کا زمانہ ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو تبلیغی جماعت کے کام کو اصلِ دین بلکہ عین دین قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تحریک انگریز نے شروع کرائی تھی تا کہ مسلمانوں کو جہاد اور دنیاوی ترقی و وجاہت سے محروم رکھا جائے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ افراط وتفریط کے مقابلے میں اعتدال کا راستہ بہتر ہوتا ہے۔ تبلیغی جماعت کی بعض خوبیاں ایسی ہیں جن کا انکار شائد کوئی نہ کر سکے مثلاً دعوت الی اللہ کی راہ میں محنت و مشقت اور ایثار۔ اسی طرح ہمیں ذوقاً صوفیا کا طریق تعلیم وتربیت اچھا لگتا ہے خصوصاً ان کی سادگی و درویشی، سالکین راہ حق کے لیے عمدہ تربیتی ماحول مہیا کرنا اور ہر ایک کو گلے لگا لینا خواہ وہ غریب ہو یا امیر، نیک ہو یا گنہگار بلکہ خواہ کافر ہو یا مسلمان —— ان تین خصوصیات کی بناء پر جو بھی ان کے پاس آئے وہ محبت سے اسے فتح کر لیتے ہیں (چنانچہ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا ملک انڈونیشیا ہے جہاں کوئی مسلمان فاتح نہیں پہنچا بلکہ اسے صوفیاء نے صرف محبت سے فتح کیا تھا)۔ ہمیں ان خوبیوں کا کچھ عکس تبلیغی جماعت میں بھی نظر آتا ہے۔ وہ لوگوں کو ان کے ماحول سے کھینچ کر اپنے تعلیمی و تربیتی

ماحول میں لے آتے ہیں جس میں محنت و مشقت بھی ہے اور سادگی و درویشی اور مسافرت بھی۔ وہ غریب و امیر میں فرق بھی نہیں کرتے اور آنے والوں پر صلاح وتقویٰ کی پیشگی شرط بھی نہیں لگاتے۔ ان کے ہاں اتفاق وایثار بھی ہے کہ ہر آدمی اپنا بوجھ خود اٹھاتا ہے۔ ان کی اس بات پر بھی شائد اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لوگوں کو کلمہ سکھانے پر اصرار کرتے ہیں اس سے جگہری علمی گفتگو تو نہیں ہوسکتی۔

اور ہاں! ہم نے صوفیاء سے یہ بھی سیکھا کہ جوڑنے والے بنو توڑنے والے نہ بنو اور دوسروں پر تنقید نہ کرو کہ تنقید کرنے سے اصلاح نہیں ہوتی، اختلافات اور دوریاں البتہ بڑھتی ہیں جو ٹوٹنے میں مدد دیتی ہیں نہ کہ جڑنے میں۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے پاس خانقاہ نہیں قلم ہے اور جن کے پاس آج خانقاہ ہے ان کے پاس بدقسمتی سے وہ درد نہیں جس کا رونا ہم رو رہے ہیں اسی لیے اقبال کو کہنا پڑا کہ ؎

اٹھا ئیں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک　　　نہ زندگی نہ محبت، نہ معرفت نہ نگاہ

لہٰذا ہمیں جو کھٹی میٹھی باتیں تبلیغی بھائیوں سے کرنی ہیں ہمارے پاس ان کا پلیٹ فارم یہی ہے لیکن ہم ان شاء اللہ ان سے کٹیں گے نہیں جڑیں گے کہ ہمیں دین کے لیے محنت کرنے والے ہر فرد اور جماعت سے محبت ہے اور فکر ونظر یا طریق کار کے اختلاف کو ہم محبت میں حائل نہیں ہونے دیں گے، ان شاء اللہ۔

تو ہم کہہ رہے تھے کہ اگر تبلیغی بھائیوں نے کار دعوت کی ابتداء نماز اور کلمے کی درستی سے کرنی ہے تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں لیکن اگر یہ ان کی آخری منزل ہے تو پھر ہمیں بصد ادب پوچھنا پڑے گا کہ صاحبو! کیا دین بس اتنا ہی ہے؟ اور کیا دین کی تبلیغ کا یہ ایک ہی طریقہ ہے؟ اگر وہ اس کے جواب میں یہ کہیں کہ دین میں ابتدائی درجے کی تبلیغ ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہے لیکن ہم یہی کچھ کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں اس کی بھی بہت ضرورت و اہمیت ہے تو بھی بات ختم ہوگئی۔ لیکن اگر وہ کہیں کہ دین اتنا ہی ہے جتنا ان کے پاس ہے اور جس کی وہ تبلیغ کرتے ہیں اور جس طریقے سے وہ تبلیغ کرتے ہیں صرف وہی طریقہ صحیح ہے تو پھر ہمارے لیے پریشانی کی بات ہے۔

فہم دین کے تین بنیادی ذرائع

ہم مسلمان اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ہم اپنی ساری نالائقیوں اور کمزوریوں کے باوجود

ایک لحاظ سے بہت باثروت اور طاقتور ہیں ـــــ اور یہی ہماری قوت کا راز ہے ـــــ کہ ہمارے دین کے بنیادی مآخذ ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ ہمارے ساتھ یہ مسئلہ نہیں ہے کہ ہمیں یقین سے یہ پتہ نہ ہو کہ ہمارا دین کیا ہے اور وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟ کیونکہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب (قرآن) محفوظ ہے اور اسے محفوظ رکھنے کی ضمانت خود اللہ نے دی ہے چنانچہ وہ ہمارے پاس اسی صورت میں محفوظ و مامون موجود ہے جس صورت میں نازل ہوا تھا۔ اور چونکہ یہ بھی اس اللہ کا فیصلہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس کے آخری رسول ہیں اور وہ قیامت تک سارے زمانوں اور سارے انسانوں کے لیے پیغمبر ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کے ساتھ توسیعی طور پر رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی سنت کی حفاظت اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے قائم کردہ معاشرے کی حفاظت کی بھی ذمہ داری لے لی جس کا عملی، زندہ اور جیتا جاگتا ثبوت یہ ہے کہ آج ہم یقین کے ساتھ یہ جان سکتے ہیں کہ جس بات کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کی جارہی ہے وہ آپؐ نے فرمائی تھی یا نہیں؟ تدوین حدیث، جرح وتعدیل اور اسماء الرجال پر امت کے ہزاروں افراد نے عمریں صَرف کر کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے قول وفعل کو زندہ جاوید بنادیا ہے۔ اسی طرح مسلم معاشرہ پچھلے چودہ سو سال سے بلاانقطاع قائم چلا آرہا ہے لہٰذا امت کا چودہ سوسالہ تعامل بھی موجود ہے چنانچہ آج کوئی ہمارے سامنے یہ مسئلہ کھڑا نہیں کرسکتا کہ دین کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟ کیونکہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب بھی موجود ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی سنت بھی موجود ہے اور امت کا تعامل (اجماع) بھی موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلم معاشرہ بھی قائم کیا اور ریاست بھی۔ جہاد بھی کیا اور جنگیں بھی لڑیں ـــــ مدافعانہ بھی اور اشاعت اسلام کے لیے کفر کا زور توڑنے کے لیے بھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک معاشرہ اور ریاست قائم کی تو اس کا ایک سیاسی نظام بھی تھا، ایک معاشی نظام بھی تھا، ایک عدالتی نظام بھی تھا، ایک تعلیمی نظام بھی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امن وامان بھی قائم کیا، لوگوں کو انصاف بھی مہیا کیا، افلاس دور کرنے کے اقدامات بھی کیے، لوگوں کے اخلاق بھی سدھارے، لوگوں کو تعلیم بھی دی۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پورے دین، پوری شریعت پر عمل کیا اور کرایا اور شریعت کے تو معنی ہی راستے کے ہیں یعنی دنیا میں زندگی گزارنے کا وہ راستہ جو اللہ کا پسندیدہ اور ہدایت کردہ ہے۔ یہی شریعت ہے، یہی دین ہے اور ہمیں اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اسے سارے کا سارا مانیں، پورے کے پورے اس میں داخل ہوں لہٰذا ہم تبلیغی بھائیوں سے عرض کرتے

ہیں، دست بستہ عرض کرتے ہیں، کہ آپ بہت اچھے ہیں، بہت نیک ہیں، اللہ کی راہ میں محنت کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں پیسہ خرچ کرتے ہیں، اس کے دین کی تبلیغ کرتے ہیں لوگوں کو نماز اور کلمے کی طرف بلاتے ہیں لیکن ازراہ کرم ہم پر شفقت فرمایئے اور دو کام کیجیے:

ایک: جب آپ تبلیغ کرتے ہیں تو پورے دین کی کیجیے۔ لوگوں پر پورا دین پیش کیجیے۔ وہ دین جو قرآن میں ہے، سنت میں ہے، جس پر امت کا اجماع ہے جس میں مسلم معاشرہ بھی ہے، ریاست بھی ہے جہاد بھی ہے، تعلیم بھی ہے، قانون بھی ہے، سیاست بھی ہے، معیشت بھی ہے، معاشرت بھی ہے، تجارت بھی ہے ـــــ غرض پورا دین اور پوری شریعت پیش کیجیے۔ پورے دین پر عمل کیجیے اور پورے دین پر عمل کرنے کا لوگوں سے مطالبہ کیجیے۔ ان کو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت سے جوڑیے تا کہ انہیں پورے دین کا علم ہو اور وہ پورے دین پر عمل کریں۔

دوسری درخواست یہ ہے کہ اس بات کا لحاظ فرمایئے کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مسلمانوں کو دعوت وتبلیغ کا حکم دیا ہے لیکن کسی خاص طریقے سے تبلیغ کا حکم نہیں دیا لہٰذا آپ نے تبلیغ کا جو

کبھی اے نوجوان مسلم! تدبر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردوں تھا تُو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گفتار وہ کردار، تُو ثابت وہ سیارا

طریقہ اختیار کیا ہے وہ آپ کا ایک اجتہاد ہے، ایک تدبیری معاملہ ہے، آپ نے اس طریقے کو مفید پایا ہے لہٰذا آپ اس پر عمل کرتے ہیں۔ ضرور کیجیے بس اتنا کرم فرمایئے کہ جو لوگ دوسرے طریقوں سے دعوت وتبلیغ کا کام کرتے ہیں انہیں بھی اسلامی طریقے سمجھیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت وتبلیغ کے وہ سارے طریقے اختیار فرمائے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں میسر اور متداول تھے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت وتبلیغ کے لیے میلوں ٹھیلوں میں چلے جاتے تھے، حج کے اجتماعات میں تشریف

لے جاتے تھے۔شعراس وقت دعوت وتبلیغ کا مؤثر ذریعہ تھا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے شاعر کوتبلیغ کے لیے آگے بڑھایا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سفیروں کوغیر مسلم بادشاہوں کے پاس بھیجا اور تحریری طو پر انہیں دعوت دی۔غرض آپ نے تبلیغ کے وہ سارے طریقے اختیار فرمائے جو اس زمانے میں متداول اور میسر تھے لہٰذا آج بھی اگر کوئی مسلمان فرد یا ادارہ یا جماعت/تنظیم/تحریک آج کے متداول اور میسر طریقوں سے اسلام کی تبلیغ کرتی ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔کوئی ریڈیو استعمال کرتا ہے، کوئی ٹیپ ریکارڈر اور آڈیو وڈیو استعمال کرتا ہے، کوئی پمفلٹ اور کتابیں لکھتا ہے ،کوئی اخبار رسالے میں مضمون لکھتا ہے، کوئی لیکچر دیتا ہے، کوئی کتابیں چھاپتا ہے۔۔۔تو یہ سارے تبلیغ کے طریقے ہیں جو جائز بھی ہیں اور مفید بھی ہیں —— تو آپ تسلیم فرمایئے کہ آپ جس طریقے سے تبلیغ فرماتے ہیں وہ کوئی منصوص ومقدس اور واحد صحیح طریقہ نہیں ہے جو اللہ ورسول کا طے کردہ ہو بلکہ آپ لوگوں نے بطور اجتہاد و تدبیر اسے اختیار کیا ہے اور جو لوگ دوسرے طریقوں سے خصوصاً تعلیم اورالیکٹرانک و پرنٹ میڈیا کے ذریعے دعوت وتبلیغ کا کام کررہے ہیں وہ بھی تبلیغ کے شرعی اور جائز طریقے ہیں، وہ بھی اچھا اور نیک کام کررہے ہیں —— بلکہ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ تعلیم کتاب و حکمت (اورتبلیغ ودعوت) بھی ذریعہ ہیں اوراصل مقصود تو تزکیۂ نفس ہے۔اسے آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تبلیغ کا سب سے اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ آدمی مجسم دعوت بن جائے۔ایک مسلمان اگر دین کے پورے احکام پرعمل کرے اور پورے دین کا چلتا پھرتا نمونہ بن جائے تو یہ دعوت کی سب سے اونچی شان ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم قرآن تھے اورآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا۔تو قرآن کی تعلیم بھی ضروری ہے اوراخلاق کی درستی بھی اہم ہے اوراس کے لیے محنت بھی درکار ہے کہ آدمی صرف نماز میں اللہ سے سچا نہ ہو، کاروبار میں بھی سچا ہو، صرف اللہ کے حقوق ادا نہ کرے بلکہ بندوں کے حقوق بھی ادا کرے اور دین میں اہل و عیال کے بھی حقوق ہیں اور اہل معاشرہ کے بھی حقوق ہیں۔آپ کا ہمسایہ بھوکا ہوتو آپ کو اس کی پرواہ کرنی چاہیے۔آپ کا کوئی عزیز بیمار ہوتو آپ کو اسے ہسپتال لے جانا چاہیے، لوگ غلط اور بے دین حکمران منتخب کرنے لگیں تو آپ کو انہیں سمجھانا چاہیے۔اگرلوگ قرآن وسنت کے مطابق فیصلے نہ کریں تو یہ آپ کا دردسر ہونا چاہیے —— کیونکہ یہ سب کچھ دین میں شامل ہے اورہمیں پورے دین

پر عمل کرنا ہے نہ کہ اس کی کسی ایک چیز پر۔ اور ہمیں پورے دین کی دعوت دینا ہے نہ کہ اس کے کسی ایک جز کی۔

اللہ کرے ہمارے تبلیغی بھائی ہماری ان مؤدبانہ گزارشات پر کچھ غور فرما سکیں۔

مغربی اور مقامی خفیہ ایجنسیوں کی سازشیں

علماء اور دینی طبقوں میں انتشار کون پھیلا رہا ہے؟

ہم البرہان میں کئی دفعہ لکھ چکے ہیں کہ علماء اور دینی جماعتوں میں افتراق و انتشار کے اسباب اگرچہ داخلی بھی ہیں اور ان کی بیخ کنی کے لیے سنجیدہ کوششوں کی ضرورت ہے لیکن اس کے خارجی

اسباب بھی ہیں جن میں سرفہرست اسلام اور مسلم دشمن مغربی طاقتوں خصوصاً امریکہ و یورپ اور ان کی خفیہ ایجنسیوں کی سازشیں ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں اس کا یہ ثبوت سامنے آیا ہے کہ اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے نے مولانا حاجی فضل کریم صاحب کی سنی اتحاد کونسل کو ڈالر دینے کا اعتراف کرلیا ہے اور حاجی فضل کریم صاحب کے سنی اتحاد نے اس الزام کو قبول کرتے ہوئے اپنے کچھ لوگوں کی رکنیت ختم کردی ہے۔ **فاعتبروا یااولی الابصار۔**

حاجی فضل کریم صاحب اور ان کی سنی اتحاد کونسل کواستعمال کرتے ہوئے انتشار و افتراق پھیلانے والی سرگرمیاں اس وقت سے ہی مشکوک تھیں جب وہ نئے انداز میں متحرک ہوئے تھے اور اب تو انہوں نے اس کونسل کو انتخابی جماعت بنانے کا بھی اعلان کردیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ امت میں افتراق و انتشار کو مسلسل فروغ دیتے رہیں گے اور مسلکی سیاست کے نام پر مذہبی منافرت میں اضافہ کرتے رہیں گے اور مذہبی طبقات کے ووٹ تقسیم کرتے رہیں گے۔ کامیاب کس نے ہونا ہے؟ ساری دینی جماعتیں مل جائیں تو شائد عوام کا اعتماد کچھ بحال ہو اور انہیں چند نشستیں مل جائیں لیکن مغرب کی شیطانی قوتیں انہیں آسانی سے کہاں متحد ہونے دیں گی چنانچہ ہر کوئی اپنے اپنے اسلام یعنی مسلک کی ڈفلی بجاتا رہے گا، ووٹ سیکولر جماعتیں (پیپلز پارٹی، نواز لیگ، عمران خان کی تحریک انصاف۔۔۔۔وغیرہ) لے جائیں گی اور اسلام کے علمبردار منہ دیکھتے رہ جائیں گے —— جیسا کہ شروع سے ہمارے معاشرے میں ہوتا آرہا ہے۔

ظاہر ہے جب اخلاص اور للّٰہیت ہی نہ ہو اور صرف دنیا اور اس کا مفاد ہی پیش نظر ہو اور حبّ مال و جاہ نے دل میں ڈیرے ڈال رکھے ہوں تو ڈالروں میں واقعی بڑی طاقت ہے اور ڈالر ہی کیوں روپوں میں بھی بڑی طاقت ہے اور پاکستانی اسٹیبلشمنٹ اور ان کی خفیہ ایجنسیاں بھی تھیلیاں لیے بیٹھی ہیں اور مال کس کو بُرا لگتا ہے؟ **اناللہ و انا الیہ راجعون۔** سو جناب! کہاں کا اسلامی انقلاب اور کہاں کا نظام مصطفی؟ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔

تزکیۂ نفس/ملفوظات　　احمد جاوید

خراب نماز کیسے درست کی جائے؟

س: میں چاہتا ہوں کہ میری نماز اچھی ہوجائے جو اس وقت بہت خراب ہے۔ اس کے لیے مجھے کیا

کرنا ہوگا؟

ج: دیکھیے! نماز کی خرابی بہت سنجیدہ مسئلہ ہے۔ جن لوگوں کو اپنی نماز کی خرابی کی پروا نہیں ہے یوں سمجھیے کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے کہ وہ ہدایت نہیں پا سکتے لیکن جن لوگوں کو یہ احساس ہو کہ ان کی نماز خراب ہے اور وہ اسے اچھا کرنا چاہتے ہوں تو ان کے لیے بھی محض ایک کمزور سا احساس کافی نہیں ہے کہ آدمی بس سوچ کر رہ جائے بلکہ انہیں اسے نہایت سنجیدہ معاملہ سمجھنا چاہیے اور اس کے ازالے کے لیے ٹھوس کوشش کرنی چاہیے۔

نماز کے بغیر بندگی کے کوئی معنی نہیں ہیں اور مجھے اس سلسلے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا فتویٰ پسند ہے جو فرماتے ہیں کہ جو شخص بلا عذر مسجد جا کر جماعت سے نماز نہیں پڑھتا گھر میں اس کی نماز

میڈیا کی عریانی و فحاشی کے خلاف شکایت کیجیے

میڈیا کے عریانی و فحاشی کے بارے میں خاموشی اختیار کرنے یا محض دل میں کُڑھنے کی بجائے الیکٹرانک میڈیا کی غیر اسلامی سرگرمیوں کے خلاف حکومتی نگران ادارے 'پیمرا' سے مندرجہ ذیل پتے پر بذریعہ خط، فیکس، فون (ٹول فری ۲۴ گھنٹے) یا ای میل شکایت کیجیے:

PEMRA Headquarters, Mauve Area G-8/1, Islamabad
Call Center (0800-73672), complaints@pemra.gov.pk,
Fax: +92-51-9107147

ممکن ہے آپ کہیں اس سے کیا ہوگا اور حسب سابق سوئے رہیں یا دل میں ان کاموں کو بُرا سمجھتے رہیں۔ ہم کہتے ہیں اس ملک میں شریف لوگوں کی کمی نہیں اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ غیر متحرک اور غیر منظم ہیں۔ اگر ہر روز چند ہزار یا چند سو فون کالز اور ای میلز بھی 'پیمرا' کو پہنچیں تو یقین کیجیے انہیں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے۔

نہیں ہوتی اور جس کی تین تکبیر اولی چھوٹ جائیں اس کی گواہی قبول نہیں کرنی چاہیے گویا کہ وہ شاہد عادل نہیں ہے۔ یہ فتویٰ ذوقِ صحابہ کے بہت قریب ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر یہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ اسے پسند فرماتے اور اس کی تصویب کرتے۔ دوسرے آئمہ بھی تارک نماز اور جماعت

> ہم یہ مضمون لکھ چکے تھے کہ لاہور کے ماہنامہ چشم بیدار کے فاضل مدیر]اور ہمارے دوست[ملک احمد سرور صاحب کا اداریہ ہماری نظر سے گزرا۔ ملک صاحب نے شد و مد سے عمران خان صاحب کی حمایت کی ہے اور ان کی مخالفت کرنے والے دینی عناصر کو خوب لتاڑا ہے۔ ملک صاحب کا مؤقف سنجیدہ توجہ کا مستحق ہے اور اس کے حق میں اور اس کے خلاف بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن پرچہ چونکہ پریس جارہا ہے اس لیے بشرط زندگی البرہان کے اگلے شمارے میں ہم ملک صاحب کے مؤقف کا تجزیہ کریں گے۔ مدیر

کی سخت مذمت کرتے ہیں لیکن وہ ذرا قانونی پہلو کی رعایت کرتے ہیں اور مسلمانوں سے نرمی اور شفقت کا رجحان رکھتے ہیں۔

یاد رکھیے کہ جس کی نماز بُری ہے اس کا سب کچھ بُرا ہے۔ اس کا سارا دین بُرا ہے۔جس کی نماز اچھی نہ ہو اس کی دوسری دینی سرگرمیاں بے معنی ہیں۔ وہ دین کے حق میں تقریریں کرتا پھرے، کتابیں لکھتا رہے، جہاد کرتا رہے، کچھ بھی کرے میں کہتا ہوں جس کی نماز اچھی نہیں ہے اس کا کچھ بھی اچھا نہیں ہے۔ نماز خراب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی حس عبادت کو دیمک لگ چکی۔ ایسا شخص کچھ بھی کرے اسے دینی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ باعث شرمندگی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔جس کی عبادت اچھی نہیں اس کے لیے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اس کے معاملات کا صحیح ہونا بھی مشکوک ہے کہ وہ اللہ کے لیے کررہا ہے یا دنیا اور نفس کے لیے۔ اس لیے خراب نماز والے کو لرزنا چاہیے اور پوری شدت سے نماز کو بہتر کرنے پر لگ جانا چاہیے کیونکہ نماز کی خرابی اس بنیادی خرابی کی نشان دہی کرتی ہے کہ بندے کا اللہ سے تعلق کمزور ہے۔

نماز میں خرابی کا مطلب

خراب نماز کا مطلب آپ سمجھتے ہیں؟ یہ کہ فرض نماز مرغوب نہ رہے اور دو بھر لگے۔ آدمی اس کا وقت ٹالتا رہے کہ ابھی پڑھتا ہوں، ابھی پڑھتا ہوں یہاں تک کہ اس کا وقت ختم ہونے والا ہو تو جلدی سے اٹھ کر چند ٹھونگے مارلے۔ جماعت سے نماز نہ پڑھنا۔ ارکان نماز ٹھیک ادا نہ کرنا۔ نماز میں عمداً

دوسری باتیں سوچنا۔فرض نماز پڑھ کرفوراً مسجد سے نکلنے کی کرنا۔سنتوں کا مستقل ترک۔۔۔وغیرہ۔

علاج

خراب نماز کو اچھا کرنے کے لیے جو اقدامات کیے جاسکتے ہیں ان میں سے تین کا آج ہم ذکرکریں گے:

۱۔ نماز پڑھنے سے پیشتر دعا کیجیے کہ اے اللہ! اچھی نماز پڑھا دے اور ایسی نماز نہ پڑھوں جو قبول نہ ہواور منہ پر دے ماری جائے بلکہ جب گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف چلیں تو راستے میں بھی دعا کرتے جائیں کہ اے اللہ! اچھی نماز پڑھنے کی توفیق دے۔

۲۔ نماز پڑھنے کے فوراً بعد مسجد سے نہ نکلیے بلکہ اس ماحول میں کچھ دیر رہیے۔ دس پندرہ منٹ کے لیے بیٹھ جایئے اور ذکر کیجیے۔ قرآنی اور مسنون اذکار پڑھیے، تسبیح، تہلیل، تکبیر، استغفار، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود۔۔۔

۳۔ اس کے بعد لمبی دعا مانگیے۔ اللہ سے اخلاص طلب کیجیے۔ اس کی محبت اور خشیت کا سوال کیجیے۔ یہ کہیے کہ اے اللہ! ذوق بندگی عطافرما، ذوق سجدہ عطافرما۔ اے اللہ! اچھی نماز پڑھنے کی توفیق عطافرما۔ بار بار کہیے کہ ''اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک'' (اے اللہ! مجھے ذکر وشکر اور اچھی عبادت کی توفیق عطا فرما)۔

اور یہ عمل دن میں ایک دفعہ کرنے کا نہیں ہے بلکہ اس شخص کو چاہیے کہ روزانہ پانچوں نمازیں ایسے ہی پڑھے تو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ اس کی نماز اچھی ہوجائے گی اور بتدریج اس پر پختگی حاصل ہوجائے گی لہٰذا اس میں ہرگز ناغہ نہ کیا جائے الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو یا جیسے دفتری اوقات کی نماز ہوتو آدمی اطمینان سے زیادہ وقت نہ دے سکے۔

س: میرے پاس سواری نہیں ہے اور ایک ہمسائے کے ساتھ نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ اب نماز کے بعد بیٹھنا اور اسے کہنا کہ میرے لیے رکو، کیا اس میں ریا کے شامل ہوجانے کا خطرہ نہیں ہے؟

ج: بھائی! خراب نماز کی درستی کے لیے کوشش کرنا بہت ضروری ہے اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔آپ اپنے دوست کو بتادیں کہ میں نماز کے بعد تھوڑی دیر ذکر کے لیے بیٹھوں گا۔کسی بزرگ نے وظیفہ بتایا ہے یا سیدھے سبھاؤ بتادیں کہ یہ نماز بہتر کرنے کا ایک نسخہ ہے۔ یا اسے کہیے کہ وہ چلا جائے آپ بعد میں آجائیں گے۔

پاکستانیات

ڈاکٹر محمد امین

پاکستان میں سیکولر انقلاب

عمران خان کا کردار

کینیڈا میں مقیم معروف پاکستانی اسلامی سکالر ڈاکٹر مظفر اقبال صاحب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مشرق وسطیٰ (وافریقہ) کے مسلم ممالک میں جو انقلاب آ رہا ہے پاکستان میں اس کا اظہار عمران خان کی تحریک کی صورت میں ہو رہا ہے (ماہنامہ آفاق، شمارہ دسمبر ۲۰۱۱ء)۔ اسی طرح ڈاکٹر صفدر محمود صاحب کا

ایک کالم (مطبوعہ روزنامہ جنگ) ''پاکستان میں انقلاب کا خواب اور اس کے بنیادی خدوخال'' کے عنوان سے ہماری نظر سے گزرا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں جس انقلاب کا خواب دیکھا جاسکتا ہے وہ ہے کرپشن کا خاتمہ، قانون کی حاکمیت، غربت، مہنگائی اور بے روزگاری پر قابو پانے کے مؤثر اقدامات اور بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ کا خاتمہ۔'' اسلامی قوانین کی روح کے مطابق فلاحی ریاست کا قیام' کے الفاظ بھی وہ استعمال کرتے ہیں لیکن آگے جاکر وہ اس کی بھی سیکولرانہ تعبیر کردیتے ہیں کہ 'جب میں اسلامی فلاحی ریاست کی بات کرتا ہوں تو اس کا ہدف فقط یہ ہے کہ کوئی بچہ غربت کے سبب تعلیم سے محروم نہ رہے، کوئی ذہین اور قابل طالب علم غربت کے سبب اعلیٰ تعلیم کی سیڑھیاں چڑھنے سے محروم نہ رہے۔ کوئی شہری علاج سے محرومی کے سبب وفات نہ پائے اور کوئی بیوہ بے سہارا یا ناکارہ شہری بھوکا نہ سوئے''۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''جو کام ہمارے مذہبی حلقے اور منبر و محراب پر متمکن حضرات نہیں کرسکے وہ کام معاشرے میں اصلاح کے خواہش مند اور جذبوں کے مالک کافی حد تک کر سکتے ہیں''۔

ڈاکٹر مظفر اقبال صاحب ذہین اور زیرک دانشور ہیں لیکن چونکہ عرصے سے بیرون ملک مقیم ہیں اس لیے پاکستان کے داخلی حالات کی باریکیوں پر ان کی نگاہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر صفدر محمود صاحب کا سیکولر نقطۂ نظر البتہ واضح ہے اور بالواسطہ طور پر اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ عمران خان جس انقلاب اور تبدیلی کے سونامی کی بات کررہے ہیں وہ اصلاً سیکولر تناظر کا حامل ہے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ پاکستان کی دینی سیاسی جماعتیں اپنی کمزوریوں، ناقص پالیسیوں اور اندرونی و بیرونی سازشوں کی وجہ سے نہ سیاسی طور پر کامیاب ہوسکی ہیں اور نہ سماجی تبدیلی لانے میں مثبت کردار ادا کرسکتی ہیں لیکن یہ بات بہرحال عمران خان یا کسی اور کے لیے اس رویے کا جواز نہیں بن سکتی کہ وہ اسلامی تناظر چھوڑ کر سیکولر اور مغرب پرستی کا حوالہ قبول کرلے۔ ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ عمران خان پاپولر ہورہا ہے لیکن پاپولر ہونا کیا حق وصداقت کا معیار ہے؟ اس سے پہلے ہم نے بھٹو کو پاپولر ہوتے دیکھا تھا لیکن اس نے ملک وملت کو کیا دیا؟ عمران خان اتنے بھی پاپولر نہیں ہوئے کہ میدان میں موجود ساری سیاسی قوتوں کو مات دے کر اقتدار میں آجائیں اور اگر آ بھی جائیں تو ہمارے نزدیک کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ ان کے اور اقتدار کے دوسرے کھلاڑیوں میں انیس بیس ہی کا فرق ہوگا۔ چلیے کچھ مارجن رکھ لیجیے پندرہ بیس کا فرق ہوگا۔ اس سے زیادہ کی توقع عبث ہے اور اس کے انڈیکیٹرز مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خان سیکولر اور لبرل ہے (ان الفاظ کے مغربی مفہوم میں)۔ وہ کوئی

اخلاقی ساکھ نہیں رکھتا۔ ماضی میں وہ پلے بوائے مشہور تھا اور مغربی لڑکیوں کے جھرمٹ میں رہتا تھا جہاں شراب نوشی، زنا اور فحاشی روٹین کی باتیں تھیں۔ اس کا مزاج آمرانہ اور طرز زندگی سرمایہ دارانہ ہے۔ مذہب (اسلام) کا اس کی ذاتی زندگی میں کبھی کوئی کردار نہیں رہا۔ وہ اتنا سیکولر ہے کہ ہم نے سال ڈیڑھ پہلے ملی مجلس شرعی کے پلیٹ فارم سے (جو پاکستان کے ساری دینی مکاتب فکر کے معتدل مزاج علماء کرام کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم ہے) جب امریکی و یورپی جارحیت کے خلاف پاکستانی کی زمینی اور نظریاتی خودمختاری کے تحفظ کے لیے ایک اجلاس بلایا تو ہمارے اجلاس میں آنا تو درکنار خان صاحب ہم سے بات کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوئے کہ کہیں ان کا نام علماء کے ساتھ بریکٹ نہ ہوجائے۔

۲۔ امریکہ و یورپ کو مسلم ممالک اور پاکستان میں ہر چند سال بعد مسند اقتدار پر بٹھانے کے لیے ایک نیا مہرہ اور ایک نیا چہرہ درکار ہوتا ہے کیونکہ پہلا چہرہ اور مہرہ امریکی مظالم کی حمایت کی وجہ سے بتدریج عوام میں نامقبول ہوجاتا ہے اور اس سے جو کام امریکہ نے لینا ہوتا ہے وہ لے چکا ہوتا ہے اور اب اسے ایک تازہ دم غلام کی ضرورت ہوتی ہے جو زیادہ جوش و جذبے سے اس کی فرمانبرداری کرسکے جیسے مشرف کے بعد زرداری صاحب آئے۔ اب زرداری صاحب بھی غیر مقبول ہوگئے ہیں اور امریکہ کو خطے سے نکلنے اور مابعد کے حالات کے لیے ایک نئے چہرے اور نئے غلام کی ضرورت ہے۔ نواز شریف صاحب بھی اس کے لیے تیار ہیں لیکن وہ 'دیسی ڈھگے' ہیں بعض اوقات 'اڑیل' ہوجاتے ہیں۔ ویسے بھی امریکی سمجھ دار ہیں وہ کسی ایک آدمی پر انحصار نہیں کرتے بلکہ کئی لیول کی تیاری رکھتے ہیں۔ پہلی ڈیفنس لائن مرضی کے مطابق کام نہ کرے تو دوسری، دوسری نہ کرے تو تیسری۔ وہ اپنے گھوڑے ہمیشہ تیار رکھتے ہیں۔ ایک نہ سہی تو دوسرا۔ دوسرا نہ سہی تو تیسرا۔ سو عمران خان امریکی و پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کا نیا گھوڑا ہیں۔ ہمیں اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ اس کی علامات اور قرینے متعدد ہیں۔ ہماری ان سے ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب انہوں نے ابھی تحریک انصاف قائم نہیں کی تھی اور شوکت خانم ہسپتال کے بعد وہ تعلیم کے میدان میں کام کرنا چاہتے تھے۔ ہمارے کچھ 'ماہرین تعلیم' دوست ان سے ملے اور مِن جملہ دوسری باتوں کے انہیں شرح خواندگی میں تیزی سے اضافہ کے لیے مسجد مکتب اسکیم کی طرف توجہ دلائی تھی۔ ہم جب ان سے گھر پہ ملے تو نہ

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب تخفیف الصلوۃ و الخطبہ

۲۔ سنن نسائی، کتاب صلوۃ العیدین، باب کیف الخطبہ

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام الباطل

صرف ان کے مغربی لائف سٹائل پر چونکے بلکہ ہمیں خان صاحب سے یہ بھی سننے کو ملا کہ یونیسف کے لوگ ان سے ملے تھے اور انہوں نے اپنی حمایت کا یقین دلاتے ہوئے متعدد تعلیمی منصوبے ان سے ڈسکس کیے تھے۔ مسجد مکتب اسکیم کی حمایت سے انہوں نے اعراض کیا۔ اب میانوالی میں انہوں نے ایک بڑا تعلیمی ادارہ بنایا ہے تو وہ بھی ایک برطانوی یونیورسٹی کے ساتھ مل کر (تعلیم کے اسلامی تصور، اسلامی نصاب اور بچوں کی اسلامی تربیت۔۔۔جیسی باتوں کا وہاں کیا گزر؟)۔

پھر پچھلے سال سندھ جب سیلاب سے متاثر ہوا تو انہوں نے جنگ اور جیو سے مل کر متاثرہ لوگوں کی مدد کی مہم چلائی۔ دوسرے لاکھوں لوگوں کی طرح ہمارا مشاہدہ بھی یہی ہے (اور ذاتی تجربہ بھی) کہ یہ ابلاغی ادارہ شروع ہی سے پاکستان میں سیکولرزم، لبرلزم اور مغرب کی ملحدانہ تہذیب اور غیر اسلامی اقدار کو پھیلانے میں قائدانہ کردار ادا کر رہا ہے۔ حدود قوانین کی مخالفت، تحفظ حقوق نسواں بل کی حمایت، امن کی آشا، فحاشی وعریانی کا فروغ اس کے اہم کارنامے ہیں۔ اس ادارے سے جو پاکستان میں انڈو امریکی لابی کے ایک مضبوط اڈے کے طور پر مشہور ہے خان صاحب کی دوستی معنی خیز تھی۔ پھر اخبارات میں خان صاحب کی امریکیوں اور پاکستانی اسٹیبلشمنٹ سے روابط کے سلسلوں کا ذکر چلا جس میں یہ بھی سامنے آیا کہ پاکستان میں امریکی سفیر (اور آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل) سے ملاقاتوں کے بعد امریکی نائب صدر اور سی آئی اے چیف سے ان کی عرب امارات میں ملاقاتیں ہوئیں اور فائنل جاب انٹرویو واشنگٹن میں ہوا جس میں باہم قبولیت و مفاہمت کا فیصلہ ہوا۔ ویسے بھی امریکیوں اور پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کو پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کو قابو میں رکھنے کے لیے ایک تیسری مضبوط پارٹی کی ضرورت ہے — اگرچہ اے این پی اور متحدہ بھی مرغ دست آموز ہیں لیکن ایک تازہ دم مہرہ یقینا زیادہ مفید ہوگا۔ اب یہ عمران خان کی ہمت ہے کہ وہ بیس تیس سیٹیں لیتے ہیں یا ساٹھ ستر اور یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ سیٹوں کی انجینئرنگ کرنے والے سیٹوں کی تقسیم کا کیا نقشہ بناتے ہیں؟ ہمارے آپ کے ووٹوں کو کون پوچھتا ہے؟ جہاں تک کرپشن کی مذمت اور گڈ گورننس کے نعروں اور سٹیج پر نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو اس طرح کے تماشے ہم برسوں سے دیکھتے آرہے ہیں۔ ہمیں تو یقین ہے کہ عمران خان صاحب کی پٹاری سے کچھ نہیں نکلے گا سوائے مغرب کی غلامی اور سیکولرزم کے پھن پھیلائے سانپ کے لیکن اگر ہم ان کے حمایتیوں کا یہ دعویٰ تسلیم بھی کرلیں کہ عمران خان کرپشن، لوڈ شیڈنگ، ناخواندگی، بے روزگاری اور مہنگائی ختم کر دیں گے تو بھی کیا؟ یہ بیماریاں سکنڈے نیوین ممالک میں موجود نہیں اور مغربی ممالک میں بھی کم ہیں تو کیا وہی ہمارا آئیڈیل ہیں؟ یہ ہندوستان میں

بھی ہم سے کم ہیں تو کیا اسلام اور نظریۂ پاکستان کا نعرہ حماقت تھی؟ صرف دنیا کی فکر کرنا یہی سیکولرزم اور مادہ پرستی بلکہ مغرب پرستی ہے کیونکہ اس سے آخرت سے صرف نظر ہوتا ہے اور یہی کفر والحاد ہے۔ سیکولرزم کے تناظر میں مسائل حل کرنے والے 'انقلابیوں' کو خبر نہیں کہ مسلمانوں کو یہ ہرگز قبول نہیں کیونکہ ؎ خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی۔

آخر میں قارئین کی تفنن طبع کے لیے ایک sms جو کسی ستم ظریف نے ہمیں بھیجا ہے:

تحریک انصاف کے اجزائے ترکیبی

۔ جمہوریت (مغربی)	5 کلو
۔ لبرلزم وسیکولرزم	7 کلو
۔ آمریت	5 کلو
۔ امریکی غلامی (پوشیدہ)	15 کلو
۔ امریکی غلامی (ظاہری)	ایک چھٹانک
۔ بٹ مینی	18 کلو
۔ خلافت راشدہ (نیا ایڈیشن)	حسب ذائقہ

یہ ہے تحریک انصاف کی 'جاہلیت' کا خمیر۔ ''**افحکم الجاهلية يبغون**''؟

استفسارات ڈاکٹر محمد امین

جدیدیت اچھی ہے یا بُری؟

سوال: جدیدیت اچھی ہے یا بُری؟

جواب: جدیدیت کے اچھا یا بُرا ہونے کا فیصلہ تو تبھی ہو سکے گا جب پہلے یہ طے ہو جائے کہ اس کا مفہوم اور اس سے مقصود کیا ہے؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمیں جواب اسلامی تناظر میں دینا ہے کیونکہ ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہمارے سامنے جو بھی معاملہ آئے اسے قرآن وسنت کی طرف لوٹا دیں جو ہمارے دین کے بنیادی مآخذ ہیں۔

جدیدیت ـــــ لغوی لحاظ سے

جدیدیت کے دو مفہوم ہیں ایک لغوی اور دوسرا اصطلاحی۔ لغوی لحاظ سے جدیدیت کے معنی ہیں ہر نیا معاملہ، ہر نئی بات۔ اس میں ہر نیا رسم و رواج، نئے تمدنی اوضاع (نئے کھانے، نئے پہناوے، نیا فرنیچر۔۔۔) نئے خیالات و افکار، نئے علوم، نئی سائنسی ایجادات اور ٹیکنالوجی (مثلاً پہلے لڑائی میں گھوڑے، تلواریں، نیزے وغیرہ استعمال ہوتے تھے اب ٹینک، توپیں، ہوائی جہاز اور میزائل استعمال ہوتے ہیں) وغیرہ شامل ہیں۔ ہمارے فہم دین کے مطابق ہر نیا امر اور ہر نئی بات نہ اچھی ہوتی ہے نہ بُری۔ اگر وہ قرآن وسنت اور مقاصد شریعت کے مطابق ہوتو وہ اچھی ہے۔ اگر ان کے خلاف نہ ہو اور اس میں مسلمانوں کی مصلحت، ضرورت اور فائدہ ہوتو بھی وہ قابل قبول ہے لیکن اگر وہ قرآن وسنت اور مقاصد شریعت کے خلاف ہوتو وہ قابل رد اور نا قابل قبول ہے۔ ہمارے اس مؤقف کو سمجھنے میں ممکن ہے کسی کو مشکل پیش آئے اس لیے ہم اس کی وضاحت کیے دیتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''**کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلاله**[۱] ۔۔۔۔**و کل ضلالة فی النار**''[۲] یعنی ہر نئی بات بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے۔۔۔۔اور ہر گمراہی کا نتیجہ جہنم ہے۔ بظاہر یہ حدیث ہر جدید کی مذمت کرتی ہے لیکن ایک دوسری صحیح حدیث اس حدیث کی وضاحت کر دیتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''**من احدث فی امرنا هذا لیس منه فهو ردّ**''[۳] یعنی جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات داخل کی جو اصلاً اس میں نہ ہوتو وہ قابل رد ہے۔ اس سے ہمارے اس مؤقف کی تائید ہوگئی جو ہم نے سطور بالا میں اختیار کیا ہے کہ ہر وہ نیا امر اور ہر وہ نئی بات بدعت ہے اور نا قابل قبول ہے جو قرآن وسنت کے خلاف ہو، جو مقاصد شریعت کے خلاف ہو۔ اور اس کے برعکس بھی صحیح ہے یعنی ہر وہ نئی بات اور ہر وہ نیا امر قابل قبول ہے اور بدعت نہیں ہے جو قرآن وسنت اور مقاصد شریعت کے خلاف نہ ہو۔

ہماری دانست میں اگر اس اصول اور معیار کو تسلیم کرلیا جائے تو باقی جو اختلاف رہ جائے گا وہ صرف اس اصول کے اطلاق کے حوالے سے ہوگا جس کے لیے دلائل دیے جاسکتے ہیں اور ان کا محاکمہ کیا جاسکتا ہے اور اس کا بہترین ماڈل نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام ہیں جنھوں نے ان نئے امور میں قرآن وسنت اور مقاصد شریعت کا اطلاق کیا جن میں پہلے سے کوئی نظیر موجود نہ تھی مثلاً حضرت ابوبکرؓ نے ان مسلمانوں کے خلاف ریاستی قوت استعمال کی جنھوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا اور قرآن حکیم جمع کرایا (حالانکہ رسول ﷺ نے جمع نہ کرایا تھا)۔ حضرت عثمانؓ نے مدینہ کی آبادی

پھیل جانے کی وجہ سے جمعہ کے دن لوگوں کونماز سے پہلے مطلع کرنے کے لیے کہ مبادا انہیں نماز میں تاخیر نہ ہوجائے، نماز سے کافی پہلے اذان کا حکم دیا۔ قرآن حکیم کے انفرادی نسخوں کی تلاوت سے لوگوں کو منع کر کے سرکاری نسخے کو لازمی کر دیا۔ حضرت علیؓ نے کثرت شراب نوشی کے بڑھتے ہوئے رجحان اور مروج سزا کو ہلکا سمجھنے پر ۸۰ کوڑوں کی سزا تجویز فرمائی اور خلافت قبول کرنے کے لیے عامۃ المسلمین کی بات قبول کرنے کی بجائے بدری صحابہ کی تائید پر اصرار فرمایا اور حضرت عمرؓ کے واقعات تو بے شمار ہیں مثلاً آپ نے تراویح کو باقاعدہ کر دیا، ارض سواد کو مجاہدین میں تقسیم نہ کیا، عدالتی نظام قائم کیا، چھاؤنیاں بنائیں، اہل فارس کے نظام دیوان کو اپنایا، وظائف مقرر کیے، تنخواہ دار فوج کی بنیاد رکھی۔۔۔وغیرہ وغیرہ۔ یہ روش مسلم معاشرے میں بعد کے ادوار میں بھی جاری رہی اور اجتہاد کا ادارہ بھی اسی لیے مستحکم ہوا اور سارے شعبہ ہائے حیات میں مسلم ماہرین اپنے فکر و عمل میں جدت اور جدیدیت کے پھول کھلاتے رہے اور ہماری دینی فکر کو اس سے تطابق میں کبھی مشکل پیش نہیں آئی۔

جدیدیت بطور اصطلاح

جدیدیت بطور اصطلاح ترجمہ ہے Modernity کا اور ماڈرنٹی وہ فکر، نظریہ یا مجموعۂ نظریات ہے جس نے مغربی تہذیب کی صورت گری اور تشکیل و استحکام میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ جدیدیت مجموعہ ہے مغرب کی فکری تحریکوں [تحریک سأۃ ثانیہ (Renaissance)، تحریک اصلاح مذہب (Reformation) اور تحریک تنویر (Enlightenment) وغیرہ] اور ان سے پھوٹنے اور ابھرنے والے افکار و نظریات کا جن میں سے اہم یہ ہیں: ہیومنزم، سیکولرزم، کیپٹل ازم، میٹریلزم، نیشنل ازم، لبرلزم، ایمپیریسزم۔۔۔وغیرہ۔ یہ نظریات، جیسا کہ ہم نے اپنی کئی تحریروں اور کتابوں میں وضاحت سے بیان کیا ہے، ایک نظریۂ حیات دیتے ہیں جس کا مرکزی نکتہ ہے خدا اور مذہب کی نفی اور انسان کی خدائی کا اثبات۔ ہیومنزم کا مطلب یہ ہے کہ انسان خود مختار بلکہ مختار مطلق ہے وہ اپنا خدا خود ہے اور کسی خدا کا عبد نہیں۔ سیکولرزم کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو خدا کو ماننا ہی ہے تو اپنی ذاتی زندگی میں مان لے، اجتماعی زندگی یعنی معاشرے اور ریاست کے امور میں خدا کا دخل دینے کا حق بہرحال تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ میٹریلزم کا مطلب ہے مادی زندگی کا اثبات اور اخلاقی و مذہبی اقدار اور ماوراء طبیعیات (غیب) کا انکار۔ کیپٹل ازم کا خلاصہ ہے دنیا ہی کی زندگی کو سب کچھ سمجھنا اور آخرت سے اغماض۔ لبرلزم کا مطلب ہے کہ انسان مادر پدر آزاد ہے جو چاہے سوچے اور جو چاہے کرے اور

ایمپیریسزم کا مطلب ہے وحی اور آسمانی ہدایت کی نفی اور انسانی عقل خصوصاً حسی علوم کی برتری۔

یہ ہے وہ جدیدیت جو مغربی تہذیب کی جان ہے۔ ظاہر ہے یہ کفر و الحاد ہے جو صریحاً خلاف اسلام ہے اور کوئی مسلمان اس کی حمایت نہیں کرسکتا، نہ اسے اچھا سمجھ سکتا ہے اور نہ اسے اپنانے کی سوچ سکتا ہے۔

اس کے باوجود بہت سے مسلمان مغربی فکر وتہذیب سے متاثر اور مرعوب ہیں، اسے اچھا سمجھتے ہیں اور اسے اپنانا چاہتے ہیں اور بعض تو ایسے بھی ہیں جو اسے اچھا باور کراتے اور اس کے اصول و اقدار کو اپنانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کے متعدد اسباب ہیں جن کا شعوری احساس کرکے مسلمانوں کو اس غلط روش سے باز آجانا چاہیے۔ مختصر طور پر اس کے داخلی اسباب یہ ہیں: مسلمانوں کی اپنے نظریۂ حیات (اسلام) سے عدم وابستگی اور اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا اور اس کے نتیجے میں ان کے اندر ان صلاحیتوں اور اصول و اقدار کا باقی نہ رہنا جو دنیا میں حصول اسباب اور ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ خارجی اسباب میں مغربی فکر وتہذیب کا غلبہ ہونا اور اس کے علمبردار ممالک کا امیر اور طاقتور ہونا (اور مسلم تہذیب کا شکست خوردہ اور مسلمان معاشروں کا غریب اور کمزور ہونا)، اہل مغرب کا مسلمانوں کو غلام بنالینا اور ان کا نظام اور ادارے ختم کرکے اپنا نظام اور ادارے ان کے معاشرے میں بجبر نافذ کرنا اور اس طرح انہیں ذہنی اور فکری غلام بنالینا (یہ کام مغرب ایک پلاننگ کے تحت مسلمان ممالک کو بظاہر آزادی ملنے کے باوجود جاری رکھے ہوئے ہے خصوصاً اپنی مرضی کے حکمرانوں کے ذریعے) اور انہیں یہ باور کرانا کہ صرف مغربی معاشرے کی پیروی کرکے اور ان کے اصول و اقدار پر عمل کرکے ہی دنیا میں ترقی کی جاسکتی ہے اور انہیں یہ جھانسا دینا کہ مغربی اصول تو دراصل اسلامی اصول ہی ہیں۔ ان مقاصد کے لیے مغرب نظام تعلیم، میڈیا اور سیاسی ومعاشی دباؤ کے پُر امن ذرائع اور بوقت ضروری حربی قوت بھی استعمال کررہا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ دنیا میں ہماری ترقی اور آخرت میں کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہم مغرب کی ملحدانہ، خلاف اسلام اور مسلم دشمن جدیدیت کو رد کردیں اور اسلام کے چشمۂ صافی کی طرف پلٹ آئیں کہ اسی میں ہماری دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ اس موضوع پر ہم نے تفصیل سے اپنی کتابوں 'اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش' اور 'مسلم نشأۃ ثانیہ۔ اسباب اور لائحہ عمل' میں قلم اٹھایا ہے اور البرہان بھی یہ مؤقف پیش کرتا رہتا ہے۔

مکاتیب

عبداللہ (پشاور) **جماعت اسلامی: مجوزہ متبادل لائحہ عمل**

سید مودودیؒ کے حلقہ فکر سے تبادلہ خیال کی آپ نے جو مجلس سجائی ہے اس پر مَیں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ کا اسلوب نہایت شائستہ، سنجیدہ اور فکر انگیز ہے اور میں ایسی تحریریں نہایت شوق سے پڑھتا ہوں لیکن معاف کیجیے گا امام حسن البنّاؒ اور مولانا مودودیؒ نے ایک واضح فکر اور طریق کار دیا تھا۔ آپ کی باتیں اچھی ہیں لیکن یہ کوئی واضح لائحہ عمل نہیں دیتیں کیونکہ خدمت خلق کا کام تو تحریک اسلامی پہلے سے کر رہی ہے اور تعلیم کے شعبے میں بھی کام ہو رہا ہے۔

اللہ داد نظامی (بلال اسلامک سنٹر، جھوک نواز، وہاڑی)

جنوری کے شمارے میں سید مودودیؒ کے حلقۂ فکر کو مخاطب کیا گیا ہے۔ آپ کی تحریر سے میرے

اس خیال کی مزید تائید ہوئی کہ اہلِ دین کے مختلف گروہ ایک دوسرے کے متعلق واجبی سی معلومات رکھتے ہیں۔ آپ نے جن موضوعات کو چھیڑا ہے اس سلسلے میں ایک کھلے مکالمے کی شدید ضرورت ہے۔ میں جماعت اسلامی کا رکن ضرور ہوں لیکن خواہ مخواہ کا وکیل بالکل نہیں۔ جماعت اسلامی کے اندر میری شہرت ایک سخت گیر نقاد کی ہے۔ جماعت اسلامی کے آخری اجتماع ارکان میں میرے پے در پے سوالات پر قاضی حسین احمد صاحب چلا اُٹھے اور تقریباً چیختے ہوئے پوچھا کہ یہ اللہ داد نظامی کون ہے؟ اور اس کا (سورس) کیا ہے؟ اس سب کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنی بصیرت کی وجہ سے اس عہد میں سید مودودیؒ سے بڑا مفکر اور صاحبِ نظر کوئی نہیں۔ یہ بات ضرور درست ہے کہ آج امت کو ایک بڑے تجزیے کی ضرورت ہے تاہم مولانا مودودیؒ کی بصیرت اور نقطۂ نظر پر ناقدانہ نگاہ ڈالنے والے تمام افراد اس پورے تناظر کو نہیں سمجھ سکے جس کے پیشِ نظر سید العصر مودودیؒ نے لائحہ عمل پیش کیا۔ مولانا محترم کے تجزیے سے اختلاف گزشتہ صدی کے ہر عشرے میں بڑی بڑی شخصیات نے کیا لیکن خود کوئی ایسی راہ عمل تجویز نہ کر سکے جس سے امت کی مجموعی فکر متاثر ہوتی۔ لہٰذا اختلافی نقطۂ نظر رکھنے والے افراد تاریخ کا حصہ بن گئے۔ گزشتہ ستر سالہ تاریخ اس پر گواہ ہے۔ جہاں تک خدمت کے ذریعے تبدیلی کا تعلق ہے تو مجھے سخت تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص جماعت اسلامی اور سید مودودیؒ کی خدمات سے افسوسناک حد تک ناواقف ہے۔ جماعت اسلامی کی خدمتِ خلق پر مشتمل سرگرمیوں کا سرسری سا جائزہ لیا جائے تو البرہان کے کئی شمارے اس کی نذر ہو جائیں

اگلے شمارے میں ان شاء اللہ

جماعت اسلامی ــــ مستقبل کا مجوزہ لائحہ عمل: اللہ داد نظامی صاحب کے تبصرے کا جواب

پاکستان کا اسلامی مستقبل : ملک احمد سرور صاحب کے مؤقف کا تجزیہ

سائنس کی اسلامیات کا تجزیہ : پروفیسر زاہد صدیق مغل صاحب کا استدلال

گے چینل کے مقابلہ میں چینل لانا دشمن کی وکٹ پر کھیلنے کے مترادف ہے۔ ہم اس دوڑ کا حصہ کیوں بنیں جو جہنم کی طرف لگائی جا رہی ہے۔ نبی تشریف لاتے ہیں تو وہ نظام میں جگہ نہیں بناتے نظام بدل

دیتے ہیں۔ آج ہمیں بڑی ہمت سے موجودہ بنکنگ سسٹم، مسلح افواج اور ابلاغیات کے تمام اداروں کی معاش حرام ہونے کا اعلان کرنا پڑے گا اور یہ تینوں شعبے ریاست کی گرفت میں ہوتے ہیں۔ یہ گرفت کبھی ڈھیلی نہیں پڑتی صرف عوام کو دکھانے کے لیے ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ گرفت ڈھیلی پڑ گئی ہے۔ ریاست اور حکومت جن کو حضرت ابراہیم ، یوسف، موسیٰ، داؤد ، سلیمان **علیھم السلام** نے شرف بخشا ہے اور تمام انبیاء کے کمالات کے کمال اور جمالات کے جمال سید کائنات حضرت محمد مصطفی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ریاست اور حکومت کے اداروں کو شرف بخشا کہ بنفسِ نفیس ان کی سربراہی فرمائی۔ اب امت کی سرفرازی اور انسانیت کی فلاح کا کوئی لائحہ عمل ان اداروں کو نظر انداز کر کے کیسے بنایا جاسکتا ہے اور کامیابی کی کوئی امید کیوں کر قائم کی جاسکتی ہے؟ سنتِ انبیاء کے وسیع تر مفہوم کو تاریخ کے پورے تناظر میں سمجھے بغیر کوئی لائحہ عمل کیسے ترتیب دیا جاسکتا ہے؟

آپ کی جو شفقت اور محبت مجھے حاصل ہے اس نے مجھے یہ اعتماد بخشا ہے کہ اپنے مؤقف کو مبرہن انداز میں بیان کر دیا۔

البرہان: نظامی صاحب کا خط دیر سے ملا جب پرچہ پریس جا رہا تھا اس لیے ہمارا تفصیلی جواب اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں، ان شاء اللہ

اسلام اور مغرب　　　**محمد ریاض خٹک** (میانوالی)

آپ کے ایک مضمون جو البرہان کے سابقہ شمارے میں ''اسلام اور مغرب'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے کے حوالے سے کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ مضمون میرے دل کی آواز ہے اور کرنے کا کام بھی عصر حاضر میں (ترجیحی طور پر) یہی ہے۔لیکن صفحہ نمبر 30 پر ذیلی عنوان ''مستقبل کا لائحہ عمل'' کے تحت آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ ''یہ کام خاموشی سے، منصوبہ بندی اور پُر امن طریقے سے کیا جائے۔۔۔۔۔۔۔تاکہ نئی تبدیلی پُر امن اور بتدریج آئے تاکہ معاشرہ تلپٹ نہ ہو اور انتشار کا شکار نہ ہو''۔اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہم پہلی مرتبہ تو یہ کام نہیں کر رہے۔ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے رول ماڈل ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء (کم و بیش) بھیجے ہیں جنہوں نے اپنے اپنے وقت کی جاہلیت اور معاشرے میں کام کیا ہے، ہاں! ہر نبی ایک خاص مرحلے تک کام کر سکے ہیں جبکہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ تعالیٰ کی براہِ راست نگرانی میں تمام مراحل بخیر و خوبی انجام دے کر تشریف لے گئے

ہیں۔اُان کی سیرت سے تبدیلی کا جولائحہ عمل سامنے آتا ہے وہ درج ذیل ہے:

☆ انہوں نے جاہلیت کے دین (عقائد و مظاہر) کا کھل کر رد کیا ہے۔ کمزور سے کمزور حالت میں بھی جاہلیت سے کسی بھی صورت میں، کسی بھی مرحلے میں سمجھوتہ (Compromise) نہیں کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی سمجھوتے کی صورت میں دونوں جہاں کی بربادی کی وارننگ دی ہے۔ اسی لیے جب جمہوریت جو اس دور کا سب سے بڑا کفریا بت ہے تو اس کے ساتھ اسلامی ملغوبہ کا سمجھوتا کیسے کیا جاسکتا ہے جس سے اُس کو اسلامی جواز بھی مل جاتا ہے (جو انتہائی خطرناک بات ہے) یہ تو عقیدے کا مسئلہ ہے جو صرف اور صرف رد کرنے کے قابل ہے۔

☆ ضروری بات ہے کہ یہ کام پُرامن کیا جائے لیکن جاہلیت آپ کو کبھی پُرامن رہنے نہیں دیتی۔ انبیاء جیسے صالح اور معصوم لوگوں کو کتنی اذیتوں اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی براہِ راست نگرانی میں لائحہ عمل اپناتے رہے لیکن پھر بھی جاہلیت کو اُن کا کام گوارا نہ ہوا اور وہ ننگی جارحیت پر اُتر آتی رہی۔ لہٰذا آج بھی آپ جو لائحہ عمل اختیار کریں گے چاہے وہ کتنا ہی پُرامن اور عاجزانہ کیوں نہ ہو جاہلیت اُس کو برداشت نہیں کرے گی۔ ہاں یہ ہے کہ آپ جب تک دعوت کو ایک خاص مرحلہ تک پہنچا نہ دیں آپ صبر و ثبات سے جاہلیت کے مظالم سہتے رہیں اور جوابی اقدام نہ کریں۔ تو جو لوگ اس کام کا بیڑہ اُٹھائیں انہیں ایسی تربیت دی جائے کہ وہ پیشگی جاہلیت کے مظالم سہنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ جو طرزِ فکر ہے کہ ہم خاموشی سے اور گوشۂ عافیت میں رہ کر جاہلیت کی جڑیں کاٹ دیں گے اور جاہلیت کو کانوں کان خبر نہ ہوگی یہ ناممکن العمل ہے۔ اس راستے میں ظلم و ستم کی گھاٹیاں طے کرنا سنتِ الٰہی ہے جس سے انبیاء تک مستثنیٰ نہیں رکھے گئے۔

☆ جہاں جہاں اسلامی تحریکوں نے جمہوریت کو اسلامی جواز دینے کی اجتہادی غلطی کی ہے وہاں معاشرے (حکومتوں کے ساتھ ساتھ) جاہلیت کے اقتدار تلے آچکے ہیں یعنی معاشرے میں جو بھی اقتداری ڈھانچہ ہے وہ سب جاہلیت کا فراہم کردہ ہے۔ اب جب آپ خالص اور اصل اسلام کی دعوت دیں گے تو لازماً معاشرہ بھی تلپٹ ہوگا۔ اسلام اپنے راستے میں تب آگے بڑھ سکتا ہے جب وہ جاہلیت سے ایک خالص اور اصل اختلاف کرلے جب آپ یہ کریں گے تو معاشرہ نہیں تو معاشرتی اقتدار لازماً آڑے آئے گا جس سے معاشرے میں اختلاف اور انتشار بھی آئے گا۔ آپ اسی اختلاف اور انتشار میں سے راستہ بنا کر ہی تبدیلی لا سکتے ہیں۔

البرہان: ہمیں آپ کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ مغرب اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے اور ہم سے طاقتور ہے اس لیے وہ ہماری مخالفت اور ردعمل برداشت نہیں کرتا اور نہیں کرے گا۔ تاہم یہ بھی ذہن میں رہے کہ ہمارا ردعمل کئی طرح کا ہوسکتا ہے اور ہر جگہ اس کا اسلوب یکساں نہیں ہوسکتا مثلاً اس کے تین بڑے شعبے ہیں: علمی، سیاسی اور جہادی۔ علمی اسلوب ظاہر ہے شائستگی، متانت اور استدلال کا متقاضی ہے۔ سیاسی میدان میں بھی جواب سلیقے اور سیاسی زبان میں ہی دینا چاہیے اور لہجہ حسب موقع و ضرورت نرم اور سخت ہوسکتا ہے۔ تاہم اگر کفر کسی مسلم ملک پر حملہ آور ہوجائے تو پوری قوت سے جواب دینا چاہیے یہاں نرمی کرنا بے حمیتی، وطن دشمنی اور غلامی قبول کرنا ہے جو ظاہر ہے نا قابل قبول ہے۔

دور نبوت سے قبل کی جاہلیت سے مماثلت کی بنیاد پر مغربی فکر و تہذیب کو جاہلیت قرار دینا اور اسے رد کرنا تو صحیح ہے لیکن مسلمان معاشرے کی کمزوریوں کو اس طرح کی جاہلیت قرار دینا صحیح نہیں ہے بلکہ اسلامی اصولوں کے مطابق اس کی پُر امن اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے۔ خصوصاً جسے ہم اجتہادی خطا کہہ رہے ہیں وہ تو سو فیصد قابل برداشت ہونی چاہیے۔

تالیفات ڈاکٹر محمد امین

تعلیم وتربیت

	صفحات	قیمت
ا۔ ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل۔ چند نظریاتی مباحث (دوسرا ایڈیشن)	۵۴۰	۲۵۰
روپے		
اسلامی تناظر میں تعلیمی نظام کی تشکیل نو۔ ماڈل اسلامی سکول، یونیورسٹی اور نظام تعلیم کا عملی خاکہ		
ثنویت کے خاتمے کا طریق کار، نفاذ اسلام اور مسلم نشأۃ ثانیہ میں تعلیم کا کردار، وغیرہ		
۲۔ ہمارا دینی نظام تعلیم ☆	۳۱۴	۳۵۰
دینی تعلیم کے چار وفاقوں کے ذمہ دار علماء سے طویل مشاورت		
اور مباحثے کے نتیجے میں دینی مدارس کے لیے اصلاحی تجاویز اور متبادل نصاب		
۳۔ تعلیمی ادارے اور کردار سازی	۱۵۳	۸۰
اس سوال کا جواب کہ جدید تعلیمی اداروں میں اسلامی نقطہ نظر سے		
بچے کی تربیت اور کردار سازی کیسے کی جاسکتی ہے؟		
۴۔ جدید اسلامی نصاب تعلیم ☆	۲۳۱	۲۶۰
پہلی سے بارھویں جماعت تک، سارے مضامین کے لیے،		
دینی اور عصری علوم کے امتزاج پر مبنی		
۵۔ پاکستان میں تعلیم کی اسلامائزیشن ☆	۴۲	۴۷
۶۔ مطالعۂ قرآن وحدیث (برائے جماعت اوّل تا پنجم)	۲۴۰	۱۹۰
ہر جماعت کے لیے الگ۔ مروجہ دینیات سے الگ اور زائد مطالعہ کے لیے		
۷۔ بروشرز		
ا۔ پرائیویٹ سکولوں کے نام ایک اہم پیغام	۱۲	
۲۔ طلبہ کی اسلامی تربیت۔ کیوں اور کیسے؟	۱۶	
۳۔ انگلش میڈیم۔ فائدے اور نقصانات	۱۲	۵۰
۴۔ دینی مدارس کے نام۔ ایک اہم پیغام	۱۲	
۵۔ والدین کے نام ایک اہم پیغام	زیر طبع	
۶۔ نوجوانوں کے نام ایک اہم پیغام	زیر طبع	

تربیت وتزکیہ

	صفحات	قیمت
ا۔ اسلام اور تزکیۂ نفس۔ مغربی نفسیات کے ساتھ تقابلی مطالعہ	۹۰۴	۶۰۰

تعمیر سیرت کا اسلامی منہج قرآن وسنت کی روشنی میں۔ مسلم ادارے اور
تجربات۔ مغربی فکر و عمل سے ان کا موازنہ۔ ایک علمی، فکری اور تحقیقی تجزیہ

۲۔ **ترکِ رذائل** ۲۹۲ ۱۹۰

بُرے اخلاق، ان کے اسباب، نقصانات اور ان سے بچنے کے عملی طریقے

۳۔ **حقیقتِ تزکیۂ نفس** (سوالاً جواباً) ☆ ۵۵ ۵۲

مختصر، سادہ، عام فہم اور غیر اختلافی انداز میں اہم مسئلے کی وضاحت

۴۔ **حقیقتِ تصوف** ۸ ۵

قرآن وسنت

۱۔ **سورہ یٰسین** زیر طبع

دورنگوں میں، بیک وقت تین تراجم (لفظی، بامحاورہ اور تفسیری)
مع قرآنی عربی الفاظ کے اردو استعمالات کی نشاندہی کے

۲۔ **Riyadh-us-Saliheen (2 Vols)** ۱۴۵۴

۱,۰۰۰

حدیث اور تزکیۂ نفس کی معروف کتاب ریاض الصالحین
اور اس کے حواشی کا انگریزی ترجمہ

۳۔ **Noble Quran, Part 1** ☆ ۷۰ ٦۰

قرآن حکیم کے پہلے پارے کا انگریزی میں لفظی ولغوی ترجمہ

۴۔ **Noble Quran, Part 2-9** ☆ ۸۳۸ ۹۳۸

پارہ ۲ تا۹ کا انگریزی میں لفظی ولغوی ترجمہ

فقہ وقانون

۱۔ **عصر حاضر اور اسلام کا نظامِ قانون** ☆ ۲۷۳ ۳۰۰

۲۔ **Islamization of Laws in Pakistan** ۲۵۸ ۲۰۰

پاکستان میں مروجہ قوانین کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کی
جدوجہد کا علمی تجزیہ، ضیاء الحق دور کا خصوصی مطالعہ

۳۔ **السلطة التشريعية۔ دراسة مقارنة (عربی)** ☆ ۱۲۹ ۱۹۵

اسلام میں اجتہاد اور مغرب میں قانون سازی کے عمل کا تقابلی مطالعہ

مسلم امہ

۱۔ **مسلم نشاۃ ثانیہ۔ اساس اور لائحہ عمل** اس اہم سوال کا جواب کہ مسلمان کس طرح زوال کے موجودہ گرداب سے نکل سکتے ہیں اور کس طرح دوبارہ غلبہ وعروج سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ مکمل لائحہ عمل	۴۰۷	۲۵۰
۲۔ **اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش۔ ایک تجزیہ، ایک مطالعہ** (دوسرا ایڈیشن)	زیر طبع	
۳۔ **جہاد اور دہشت گردی۔ عصری تطبیقات**	۱۳۰	۱۰۰
۴۔ **مسلمانوں کی ترقی کا واحد راستہ**	۱۲	۸

سیاسیاتِ اسلام

۱۔ **اسلام اور پاکستان**☆ پاکستان میں نفاذ اسلام کا صحیح طریق کار	۱۲۷	۱۵۵
۲۔ **اسلامی انقلاب۔ مفہوم، تقاضے اور حکمت عملی**☆	۱۳۳	۱۴۰
۳۔ **سیاسی جماعتوں کی شرعی حیثیت**☆	۴۵	۵۰
۴۔ **اسلام اور جدید سیاسی مسائل**	زیر طبع	

اسلام (متفرق)

۱۔ **رزم حق و باطل**☆ ان مسلم داعیوں اور حریت پسندوں کا تذکرہ جنہیں کج فہم مسلم حکمرانوں سے کشمکش کرنا پڑی	۱۱۸	۱۳۰
۲۔ **مقالاتِ امین (دو جلدیں)**☆ ۱۳۵۰ ان مضامین و مقالات کا مجموعہ جو مختلف اوقات میں جرائد و اخبارات میں چھپتے رہے	۱۲۵۸	
۳۔ **عصر حاضر میں تعبیر دین**	زیر طبع	
۴۔ **ایک نئی دینی تحریک کی ضرورت**	زیر طبع	

☆ فوٹو کاپی مہیا کی جا سکتی ہے۔

۔ خرید کتب کے لیے تحریک اصلاح تعلیم کے دفتر سے رابطہ کیجیے، فون نمبر 0300-4609522

۔ مندرجہ بالا قیمتوں میں ڈسکاؤنٹ شامل ہے ڈاک خرچ شامل نہیں جو موجودہ قیمت کا ۱۵% ہو گا۔

طریق ادائی: منی آرڈر یا پے آرڈر بنام تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ، 71-A فیصل ٹاؤن، لاہور۔